تعلیم و تربیت

2010

جنوری
2010

نیا سال
مُبارک

HAPPY
NEW
YEAR

سالِ نو مُبارک

آیئے دُعا کریں نیا سال ساری دُنیا کے لئے مُبارک ہو

CamScanner

Shezan
Tomato
Ketchup
Shezan
Ginger
Garlic Chilli
Sauce
صلصة زنجبيل
وثوم وفلفل
Shezan
Green
Chilli
Sauce
Everyone's Favorite!

CamScanner

69 واں سال 9 واں شمارہ

(رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی)

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

تعلیم و تربیت

بچوں کا محبوب رسالہ

جنوری 2010ء

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	1
درسِ قرآن وحدیث	سید مقبول حسین شاہ	2
نعت	ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی	3
نیا سال	ضیاء الحسن ضیاء	4
میرا نام ہے دودھ	نعیم شاہد	5
بوجھ	کلیم چغتائی	7
میرے پسندیدہ اشعار	باذوق قارئین	10
ڈائری لکھنا	غلام حسین میمن	11
کبھی تم بھلاؤ نہیں	افق دہلوی	14
دُوسرا سورج	محمد فہیم عالم	15
آپ بھی لکھئے	ہونہار ادیب	19
مضبوط رسی	راشد علی	22
داؤدی علمی آزمائش	ذہین قارئین	24
تتلی پیاری تتلی	خلیل جبار	25
رحمت پور کا الہ دین	حسن ذکی کاظمی	28
یہ ہے اسلام آباد	نسرین شاہین	32
سردی	ریاض حسین قمر	36
ٹیوشن آپی	محمد فاروق دانش	37
اونٹ رے اونٹ	حمزہ خان	41
سرخ مل گیا	صائمہ کامران	43
آپ کا خط ملا	ننھے قارئین	49
چیتا	محمد عارف خان	51
اباجی!	نذیر انبالوی	57
خزانہ	تحسین گل	61
میری زندگی کے ۔۔۔	پُر عزم قارئین	62
ہونہار مصور	ننھے مصور	63
بلا عنوان	ننھے خوش نویس	64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق: "نیا سال"

قیمت فی پرچہ 25 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

تمام ساتھیوں کو نیا ہجری و عیسوی سال مبارک ہو۔

نئے سال کے آغاز پر آپ اس بات پر غور کریں کہ گزشتہ سال آپ نے جن کاموں کے کرنے کا ارادہ کیا تھا، وہ مکمل ہوئے ہیں یا نہیں۔ آپ پچھلے سال کے مکمل اور نامکمل کاموں کی فہرست بنالیں، ایسا کرنے سے آپ نئے سال کے لئے بہتر انداز میں منصوبہ بندی کر سکیں گے۔ ہر گزرنے والا لمحہ انسان کو یہ پیغام دے کر جاتا ہے کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں، جو وقت کے بے لگام گھوڑے کو قابو میں رکھتے ہیں۔ نئے سال کے آغاز پر آپ یہ عہد کریں کہ اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے، کیونکہ جو وقت کو ضائع کرتا ہے وقت اُسے ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ کرے یہ سال ہم سب کے لئے اپنے دامن میں امن، خوش حالی اور شادمانی کا پیغام لے کر آئے۔

اس شمارے سے ہم نیا سلسلہ "مفید مشغلے" کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا مشغلہ "ڈائری لکھنا" شاملِ اشاعت ہے۔

کچھ دوستوں کو شکایت ہے کہ داؤدی علمی آزمائش میں سوالات مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہم نے اِس سلسلے کو آئندہ ماہ سے نئے انداز میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ نیا انداز آپ کو یقیناً بہت پسند آئے گا اور آپ اُس میں بھرپور حصہ لیں گے۔

اب آپ اِس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیجئے۔

آپ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔ فی امان اللہ (مدیر)

چیف ایڈیٹر	ایڈیٹر، پبلشر	مشیر خاص	مشیر	سرکولیشن اسسٹنٹ
عبدالسلام	ظہیر سلام	سید مقبول حسین شاہ	سعید لخت	محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32 ایبر یس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

فون: 6361309-6361310 فیکس: 6278816

پرنٹر: ظہیر سلام

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔

سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 500 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 1250 روپے۔

ایشیاء، افریکا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 1250 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔

تعلیم و تربیت 32۔ ایبر یس روڈ، لاہور
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-6278816
Email: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

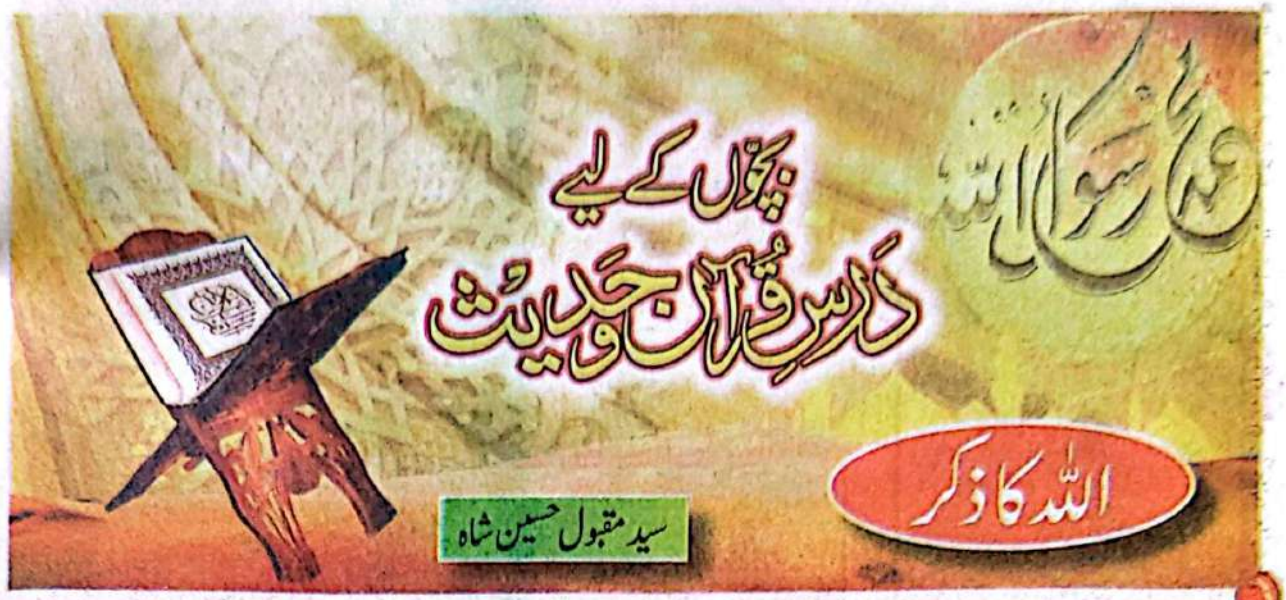

اللہ کا نام لے کر جب ہم کوئی بھی کام کرتے ہیں تو اُس میں برکت ہوتی ہے۔ پڑھائی ہو، امتحان ہو یا اور کوئی کام، ہمیں بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا چاہیے۔ اِس طرح سارا دِن ہم اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا ذکر کرتے رہیں گے۔ پوری کائنات میں سب سے اچھا، افضل، پیارا اور بابرکت نام اللہ کا ہے۔ یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا۔ جب ہم بڑی محبت سے اللہ کا نام لیتے ہیں تو ہمارے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے۔ اِس طرح ہمارا نامہ اعمال بہتر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

سورۂ دہر آیت ۲۵: "اور اپنے رَب کا نام صبح اور شام لیتے رہو۔"

سورۂ کہف آیات ۲۳۔۲۴: "کسی کام کے بارے میں نہ کہو کہ میں کل کروں گا، مگر ان شاء اللہ کہو (یعنی اگر اللہ نے چاہا)۔"

کوئی بھی اچھی چیز یا کسی میں کوئی خوبی دیکھ کر ماشاء اللہ کہنا چاہیے یعنی اللہ جو چاہے۔ قرآن مجید میں ایک باغ کا ذکر ہے جو ایسا نہ کہنے سے خراب ہو گیا تھا۔

سورۂ کہف آیات ۳۹: "اور جب تم باغ میں داخل ہوئے تو کیوں نہ کہا:

"ماشاء اللہ لا قوۃ اِلا باللہ" یعنی اللہ جو چاہے۔ اُس کے سوا کسی کو طاقت نہیں کہ کچھ کر سکے۔

صحیح حدیث میں ہے، رسول کریمؐ نے فرمایا کہ "رات کے وقت اللہ کا نام لے کر (یعنی بسم اللہ پڑھ کر گھر کے) دروازے بند کرو (تاکہ گھر محفوظ رہے)۔"

کھانا کھانے کے بارے میں رسولِ کریمؐ کا فرمان ہے کہ "بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھائیں، کھانا دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھائیں۔"

ایک اور صحیح حدیث میں ہے، رسول کریمؐ نے فرمایا "جب کسی بات کے کرنے کا دعویٰ کرو یا قسم کھاؤ تو ان شاء اللہ کہو (یعنی اگر اللہ نے چاہا)۔" اِس طرح پوری کوشش کرنے کے باوجود اگر وہ کام نہیں ہوتا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

کھانا کھا کر یا کوئی اچھی چیز حاصل ہونے پر الحمدُ لِلّٰہ کہنا چاہیے یعنی سب تعریف اللہ ہی کے لئے، وہی دینے والا ہے۔ اِس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم دُوسروں کو نصیحت قرآن مجید کے حوالے سے کریں۔ نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں کی تسبیح بڑے خلوص اور محبت سے کریں۔

پیارے بچو! آیئے عہد کریں کہ ہم ہر کام بسم اللہ پڑھ کر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھیں گے۔ آمین۔

پسندیدہ اعمال

☆ یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی اور مددگار ہے (توبہ ۱۱۶)۔

☆ اللہ کی رحمت سے کبھی نا اُمید نہ ہوں۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے (زُمر ۵۳)۔

☆ رزق حلال کھائیں اور اس کو اپنے لیے باعث برکت سمجھیں (مائدہ ۸۸)۔

نعت

دو عالم کے آقا ہمارے نبیؐ
ہیں رحمت سراپا ہمارے نبیؐ

وہ ہیں انبیاء و رسل کے امام
نویدِ مسیحا ہمارے نبیؐ

زباں پر "صلِ علیٰ" صبح و شام
دُکھوں کا مداوا ہمارے نبیؐ

کہاں جائیں ہم اُن کا در چھوڑ کر
ہیں ملجا و ماوا ہمارے نبیؐ

ہم سے ممکن کہاں، نعت ہم لکھ سکیں
جن پہ رب بھی ہے شیدا ہمارے نبیؐ

جن سے سیراب ہے ساری خلقِ خدا
وہ سخاوت کا دریا ہمارے نبیؐ

اُن کا ہمسر کوئی ، اور نہ اُن کا مثیل
رب کی خلقت میں تنہا ہمارے نبیؐ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، لاہور

نیا سال 2010

سال نیا پھر آیا دیکھو ، سال نیا پھر آیا
کس نے کی ہے کتنی ترقی، اِس نے ہمیں بتایا

رہے ادھورے کام جو پچھلے سال ، وہ پورے کر لیں
سالِ نو میں ہاتھ پہ ہاتھ نہ رکھ کر ہرگز بیٹھیں

اب کے برس یہ عہد کریں، سب وقت پہ کام کریں گے
کام سے اپنے اک لمحہ بھی غافل ہم نہ رہیں گے

قدم قدم پر آؤ محنت کے ہم دیے جلائیں
علم کے روشن سورج سے ہم قسمت کو چمکائیں

جو کم زور ہیں اپنے ساتھی اُن کا ہاتھ بٹائیں
علم سے جو محروم ہیں اب تک ، اُن کو مل کر پڑھائیں

ملک کے سارے باسی خوشحالی کی زیست گزاریں
مل کر آگے بڑھتے جائیں، کبھی نہ ہمت ہاریں

چلے نہ وقت کے ساتھ ضیاؔء تو پیچھے رہ جائیں گے
سُست اور کاہل رہے تو کیسے منزل ہم پائیں گے

ضیاءالحسن ضیاء، کراچی

میرا نام ہے دُودھ

نعیم شاہد، اوکاڑہ

میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوں۔ مجھ میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مفید اجزا رکھے ہیں، لیکن مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اتنی مفید چیز ہونے کے باوجود آپ میں سے بہت سے بچے مجھے پینے سے بہت گھبراتے ہیں، حالاں کہ میں بہت صحت بخش اور خوب صورت ہوں۔ کچھ بچے تو مجھے تھوڑا بہت پی لیتے ہیں، لیکن کچھ بچے تو مجھے ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے۔

آج میں آپ کو اپنے متعلق ایک بہت ہی خاص بات بتاتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میرے اندر کیلشیم کی وافر مقدار موجود ہوتی ہے، لہٰذا میں ہڈیوں کے لیے بہت مفید ہوں۔ جو بچے مجھے روزانہ پیتے ہیں، ان کی ہڈیاں بہت مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یوں وہ کھیلنے کودنے کے دوران اور سکول آنے جانے سے جلدی نہیں تھکتے۔ اس کے علاوہ مجھے پینے سے بچوں کے چہرے کا رنگ بھی نکھر جاتا ہے اور وہ زیادہ خوب صورت اور صحت مند لگتے ہیں، اس لیے آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آج کے بعد آپ روزانہ مجھے پیا کریں گے۔ مجھے گلاس میں ڈال کر پینے کے علاوہ آپ اپنی پیاری امی سے یہ بھی کہا کریں کہ وہ آپ کو کبھی سویاں اور کبھی کھیر بنا دیا کریں، تاکہ آپ مجھے پیتے پیتے اکتا ہی نہ جائیں۔ ویسے یہاں آپ کو ایک بات ضرور بتانا چاہوں گا، اور وہ یہ ہے کہ جو بچے روزانہ مجھے رات کو سونے سے پہلے پیتے ہیں، اُن کی صحت بہت اچھی ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے وہ پڑھائی اور کھیل، دونوں میں بہت اچھے رہتے ہیں۔ پھر اُنہیں میری ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ جب تک وہ مجھے پی نہ لیں، اُنہیں سکون نہیں ملتا۔

پیارے ساتھیو! آپ سب بہت خوش نصیب ہیں کہ آپ کے پاس میں موجود ہوں، ورنہ دُنیا میں ایسے لاکھوں بچے ہیں جن کے ماں باپ اتنے غریب ہیں کہ وہ مجھے اپنے بچوں کے لیے خرید نہیں سکتے۔ اُن بے چاروں کا بہت دل چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو دُودھ پلائیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر مجھے ان پر بہت ترس آتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے میرے اور کون کون سے رُوپ ہیں؟ آپ سب خاموش کیوں ہو گئے؟ ارے بھئی، ذرا غور

کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اور کس کس رُوپ میں ہوتا ہوں؟ اچھا چلیے، میں آپ کو خود ہی بتا دیتا ہوں کہ میرے اور کون کون سے رُوپ ہیں۔ تو میرا سب سے پہلا، پہلا نہیں بلکہ دُوسرا..... کیوں کہ میرا پہلا اور خالص روپ تو دودھ ہی ہے نا، ہاں تو میرا دُوسرا رُوپ ہے "دہی" جی ہاں! دہی جسے آپ میں سے اکثر بچے صبح سویرے ناشتے میں کھاتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں یعنی دودھ خود کو دہی کی شکل میں کیسے ڈھالتا ہوں؟

ہوتا یہ ہے کہ جب دُودھ میں تھوڑا سا "جاگ" یعنی تھوڑی سی لسی یا تھوڑا سا دہی، جو دودھ میں دہی بنانے کے لیے ڈالتے ہیں، اُسے "جاگ" کہتے ہیں۔ پنجابی زبان میں تو اِسے "جاگ" کہتے ہیں، "جاگ" کو اُردو زبان میں "ضامن" کہتے ہیں، جب دودھ میں "جاگ" یا "ضامن" لگا کر کئی گھنٹوں کے لیے دودھ کو رکھ دیتے ہیں تو دہی بنانے والے بیکٹیریا کے کیمیائی عمل سے دودھ، دہی کی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔

آپ بیکٹیریا کا سن کر حیران ہو رہے ہیں؟ آپ غالباً اس لیے حیران ہو رہے ہیں کہ بھلا بیکٹیریا اچھے کیسے ہو سکتے ہیں، یہ تو بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ اگرچہ آپ کی بات کافی حد تک درست ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے بیکٹیریا بھی پیدا کیے ہیں، جو انسان دوست ہیں اور جنہیں مفید بیکٹیریا کہتے ہیں۔ یہ بیماریاں نہیں پھیلاتے، بلکہ انسانوں کے لئے بہت سود مند ہوتے ہیں۔ انہی میں بیکٹریا کی ایک قسم وہ ہے جو دودھ کو دہی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ تو تھا میرا دُوسرا روپ اور میری تیسری شکل ہے "لسی" جی ہاں..... بالکل دُرست سمجھے۔

وہی لسی جو آپ میں سے اکثر بچے صبح ناشتے میں پیتے ہیں۔ گاؤں کے تو تقریباً سب ہی بچے میری اس شکل سے آشنا ہیں اور وہ تو مجھے دوپہر میں بھی کھانے کے ساتھ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ میری چوتھی شکل جس میں میں ڈھل جاتا ہوں، وہ ہے "مکھن"

کیا آپ کو معلوم ہے کہ اگر مکھن کو کسی برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ کر خوب گرم کیا جائے تو کیا ہوتا ہے؟ کیا کہا..... نہیں معلوم تو کوئی بات نہیں، میں ہوں نا آپ کو بتانے کے لیے۔

تو میرے بچو! اگر ہم مکھن کو کسی برتن میں ڈال کر آگ پر گرم کریں تو کچھ دیر بعد مکھن گھی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ہاں تو میرے پیارے بچو! دیکھا آپ نے کہ میرے کتنے زیادہ فوائد ہیں اور میری کتنی شکلیں ہیں، جن میں آپ لوگ مجھے ڈھال سکتے ہیں۔ ایک منٹ، ایک منٹ، ابھی میں نے آپ کو اپنے اُس روپ کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں بتایا، جو آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ رُوپ ہے۔

آپ سب لوگ میری طرف حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ اوہ! اچھا سمجھا..... آپ شاید میرے اتنے زیادہ رُوپ پڑھ اور سن کر حیران ہو رہے ہیں۔ اچھا اب حیران ہونا چھوڑیئے اور سنیے کہ میرا اگلا رُوپ کون سا ہے؟ جی ہاں! میرا اگلا رُوپ ہے۔ "برفی"

آگیا نا آپ سب کے منہ میں پانی، کیا آپ کو معلوم ہے کہ آخر وہ برفی جسے آپ اتنے شوق سے کھاتے ہیں، بنتی کیسے ہے؟ اچھا چلیے میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔

ہوتا یہ ہے کہ مجھے حلوائی ایک بڑی سی کڑاہی میں ڈال کر دھیمی آنچ پر کئی گھنٹے پکاتا رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ میرے اندر موجود پانی خشک ہوتا رہتا ہے اور میں گاڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہوں، پھر گاڑھے اور نرم نرم کھوئے کی شکل میں ڈھل جاتا ہوں، جسے بعد میں چینی ڈال کر مزید پکایا جاتا ہے اور پھر ایک بڑے اور کھلے برتن میں کھوئے کو پھیلا دیا جاتا ہے۔ کھویا ٹھنڈا ہو کر جم جاتا ہے اور پھر حلوائی ایک تیز دھار چھری سے مجھے چھوٹی چھوٹی خوب صورت ٹکڑیوں میں کاٹ دیتا ہے، جسے آپ سب بچے مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔

بوجھ

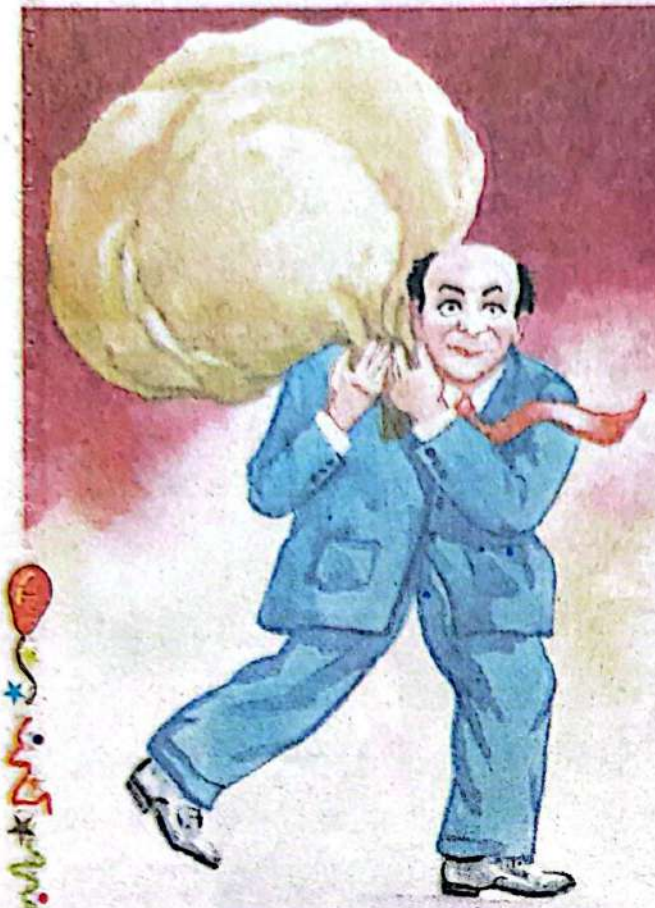

کلیم چغتائی (کراچی)

"ابو جی! مجھے موٹر سائیکل کی ضرورت ہے۔"

عابد صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے، نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اُن کا نوجوان بیٹا شاہد، منہ پھلائے کھڑا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ بہت ناراض ہے۔

"موٹر سائیکل کے لیے کچھ انتظار کر لو بیٹا۔" عابد صاحب نے تسلی دی۔

"کب تک انتظار؟ میرے سارے دوست میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ تمھارے ابو، تمھیں ایک موٹر سائیکل تک نہیں دلا سکتے۔" شاہد نے غصے سے کہا۔

"اچھا پرسوں تمھیں موٹر سائیکل مل جائے گی۔"

"کیا واقعی ابو؟" شاہد کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔

"ہاں، ہاں"

"ابو! بہت بہت شکریہ۔" شاہد خوش ہو گیا۔ عابد صاحب پھر اخبار پڑھنے لگے، ابھی وہ ایک خبر ٹھیک طرح نہ پڑھ سکے تھے کہ ان کی بیٹی جمیلہ آگئی۔

"ابو! مجھے ہار چاہیے۔ میں اپنی سہیلی کی سال گرہ میں کیا پہنوں گی۔"

"آپ کے پاس تو پہلے ہی دو ہار ہیں۔"

"وہ میں کئی مرتبہ پہن چکی ہوں، آپ مجھے نیا ہار بنوا کر دیں۔"

"اچھا بھئی، کل بنوا دیں گے۔"

"ابو جی! بہت بہت شکریہ۔"

عابد صاحب پھر اخبار کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ اُن کی بیگم آگئیں۔

"آپ کو تو ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ سب لوگوں نے اپنے گھر کا فرنیچر بدل لیا ہے، ہم پچھلے سال والا فرنیچر استعمال کر رہے ہیں اور آپ نے نئے ماڈل کی کار بھی نہیں خریدی، ابھی تک پچھلے سال کا ماڈل لیے بیٹھے ہیں۔ میں کہتی ہوں آپ کوئی فکر کیوں نہیں کرتے؟"

عابد صاحب مسکرائے اور بولے: "فکر تو ہمیشہ رہتی ہے۔ میں فرنیچر کا آرڈر دے چکا ہوں البتہ کار کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔"

"کوئی ٹیڑھا معاملہ نہیں۔ آپ اتنے با اختیار افسر ہیں، سب کچھ کر سکتے ہیں۔" عابد صاحب کی بیگم بولیں، پھر انہوں نے بھی منہ بنا کر کہا۔ "آپ کو کون سا اپنی بیگم کا خیال ہے، کبھی پوچھا کہ شادی بیاہ میں پہننے کے کپڑے ہیں یا نہیں۔"

"اوہو بیگم! آپ جو چاہیں خرید لیا کریں، میں پیسے دے دوں گا۔" عابد صاحب ذرا جھنجھلا کر بولے۔

"اب مزے کی بات ہوئی ہے۔" بیگم صاحبہ مطمئن ہو کر رات کا کھانا لگوانے چلی گئیں۔

عابد صاحب یوں تو ایک سرکاری محکمے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھے، مگر اُن کے گھر اور رہن سہن کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک سرکاری افسر ہیں۔ اُن کے ٹھاٹ باٹ اور عالی شان طرزِ زندگی کی وجہ یہ تھی کہ دفتر میں ان کے اختیارات بہت تھے۔ کئی منصوبوں کی فائلیں منظور کروانے کے لیے اُن سے رابطہ قائم کرنا پڑتا تھا۔ جو شخص انہیں خوش کر دیتا، صرف اسی کی فائل اوپر جاسکتی تھی، اس لیے ہر آدمی ان سے اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

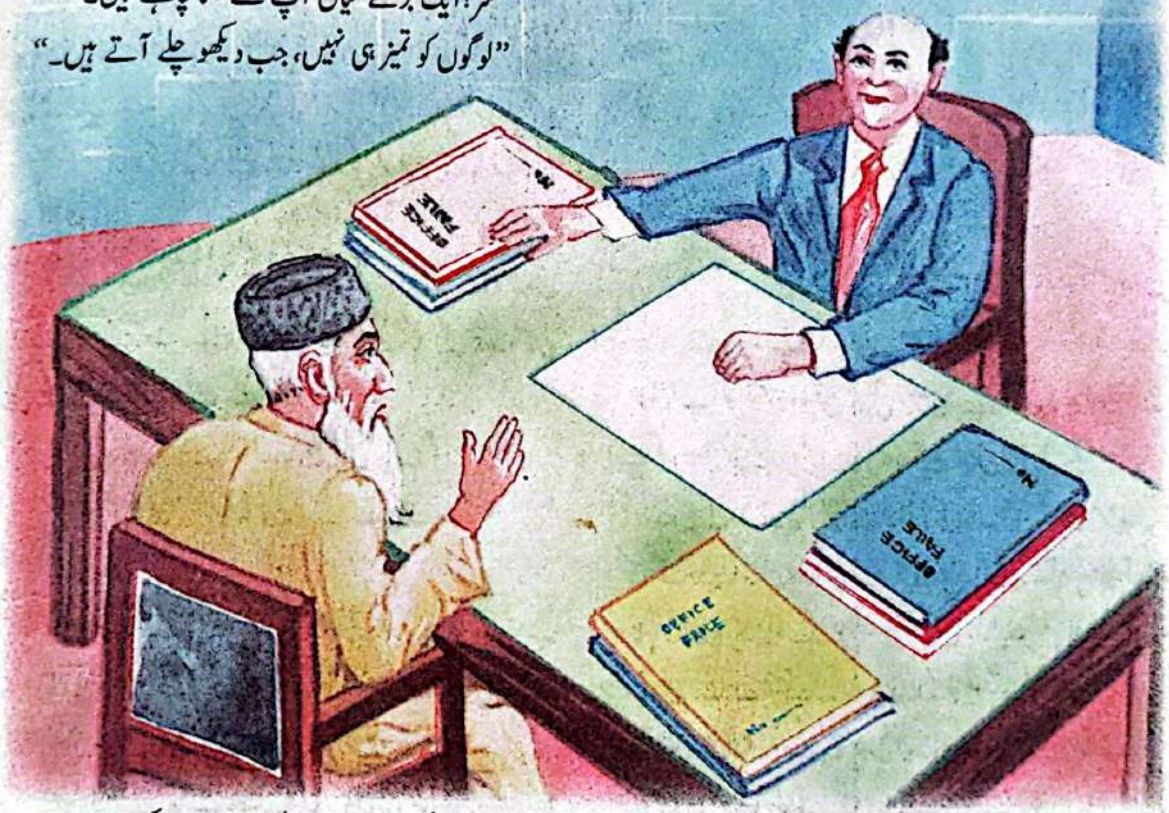

عابد صاحب، اگلے دن دفتر پہنچے۔ انہوں نے میز پر رکھی فائلوں کے ڈھیر میں سے چند فائلیں نکالیں۔ ان فائلوں سے عابد صاحب کو مالی فائدہ حاصل ہونے کی امید تھی۔ انہوں نے اپنے معاون سے کہا کہ وہ ان فائلوں کو دیکھے اور ان میں لگی درخواستوں کی مدد سے درخواست بھیجنے والوں سے رابطہ قائم کرے۔ معاون نے صرف دو گھنٹے میں سب سے رابطہ قائم کر لیا۔ دوپہر تک تمام افراد عابد صاحب سے آکر مل چکے تھے۔ معاملے کی بات ہو گئی تھی۔ پارٹیوں نے پیشگی ایڈوانس رقم بھی دے دی تھی۔ باقی رقم کام ہو جانے کے بعد ملنی تھی۔

عابد صاحب نے آج پیشگی کے طور پر ملنے والی رقم دیکھی۔ وہ کُل 35 ہزار روپے تھے۔ وہ خوش ہو گئے تھے۔ دفتر کے لوگوں کا حصہ نکالنے کے بعد بھی ان کے پاس 25 ہزار روپے تھے۔ بیٹے کو موٹر سائیکل دلانے کے لیے انھیں کچھ اضافی رقم کی ضرورت تھی۔ جو اب پوری ہو چکی تھی۔

عابد صاحب نے اطمینان بھرا سانس لیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ اسی وقت ان کے معاون نے ادب سے کہا۔

"سر! ایک بڑے میاں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لوگوں کو تمیز ہی نہیں، جب دیکھو چلے آتے ہیں۔"

"سر! کوئی ضرورت مند لگ رہا ہے، ممکن ہے زیادہ پیسے دینے کے لیے تیار ہو جائے، ہمارا بھی کچھ فائدہ ہو جائے گا۔" معاون نے توجہ دلائی۔

"اچھا تو پھر بلاؤ۔"

بڑی عمر کے ایک صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ اُن کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ آنکھوں پر موٹے فریم کا چشمہ، وہ سفید شلوار پہنے ہوئے تھے۔ شاید دفتر کی سیڑھیاں چڑھنے سے ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" عابد صاحب نے بڑے میاں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے، گھڑی پر نظر ڈالی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ جلدی میں ہیں اور لمبی بات نہیں کرنا چاہتے۔

بڑے میاں نے بات شروع کی۔ ان کی ایک ضروری فائل عابد صاحب کے محکمے میں کئی ماہ سے اٹکی ہوئی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں کو کئی بار بھیج چکے تھے، مگر یہاں کوئی سننے والا ہی نہ تھا۔ آخر بڑے میاں کو خود آنا پڑا تھا۔

"دیکھیے بزرگو! آپ نے بھی دُنیا دیکھی ہے، آپ کو معلوم ہے ہر شخص کے ساتھ ضرورتیں لگی ہوتی ہیں۔ اب سوکھی تنخواہ میں تو گزارہ نہیں ہوتا۔ ہم بھی ماشاء اللہ بال بچے دار ہیں، بچوں کی تعلیم ہے، گھر کے اخراجات ہیں، بیوی بچوں کی سو فرمائشیں ہیں۔ سب کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آخر معاشرے میں ہماری بھی کوئی عزت ہے۔ پھٹے ہوئے اور پیوند لگے کپڑے پہن کو تو شادی بیاہ میں نہیں جا سکتے، آپ بھی ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں۔"

"جی، جی میں سب سمجھتا ہوں، لیکن میں آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"نقصان؟"

"جی ہاں، میں اگر آپ کی اور آپ کے بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے میں آپ کی مدد کرنے لگوں تو آپ کو نقصان ہی پہنچاؤں گا۔"

"بھئی آپ تو پہیلیوں میں باتیں کرنے لگے ہیں۔ میں ایک سرکاری افسر ہوں اور میرا وقت بہت قیمتی ہے، سمجھے آپ؟"

"بالکل سمجھ گیا ہوں، اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو اس کرسی پر اس لیے بٹھایا ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت لوگوں کے مسائل حل کرنے میں استعمال کریں۔" عابد صاحب کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا، وہ کوئی سخت بات کہنے ہی والے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

عابد صاحب ابھی غصے کے اثر سے باہر نہیں نکلے تھے۔ فون کا ریسیور اٹھا کر دہاڑے۔

"ہیلو!" کیا؟ کون؟ فرنیچر ہاؤس سے واجد صاحب بول رہے ہیں، اچھا تو فرنیچر تیار ہے؟ بہت خوب، فرنیچر آپ گھر بھیج دیجیے..... شکریہ بہت بہت، اللہ حافظ۔"

عابد صاحب نے فون کا ریسیور رکھا تو بڑے میاں بولے۔

"میں آپ کا قیمتی وقت مزید برباد نہیں کرنا چاہتا، مجھے معلوم نہیں آپ کی زندگی کتنی رہ گئی ہے، بہرحال جتنی بھی رہ گئی ہے اس میں مسلسل کمی ہو رہی ہے، میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ نے جو فرنیچر بنوایا ہے، وہ یقیناً عمدہ اور قیمتی ہو گا۔"

"ہاں، ہے تو پھر؟" عابد صاحب ماتھے پر بل ڈال کر بولے۔

"کیا آپ اکیلے اس فرنیچر کو اٹھا لیں گے؟"

"کیا بکواس ہے، میں کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ مزدور کس لیے ہیں؟" عابد صاحب بیزاری سے بولے پھر انہوں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"آپ نے درست فرمایا" بڑے میاں بولے۔ "آپ خود فرنیچر کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ مزدور یہ بوجھ اٹھا لیں گے، لیکن میں آپ کو قرآن مجید کی سورۃ فاطر کی ایک آیت کا ترجمہ سناتا ہوں۔ یہ آیت نمبر اٹھارہ ہے۔ چھوٹی سی آیت ہے، سن لیجیے۔"

بڑے میاں نے ذرا رک کر عابد صاحب کی طرف دیکھا، جو شاید فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ بڑے میاں کو قرآنی آیت کا ترجمہ سنانے سے روکیں یا نہ روکیں۔ بڑے میاں بولے:

"سنیے! اُس آیت کا ترجمہ، جس میں آخرت کا ذکر ہے۔

"کوئی بوجھ اٹھانے والا، کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر کئی لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو اُس کے بوجھ کا ایک ادنیٰ حصہ بھی بٹانے کے لیے کوئی نہ آئے گا، چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔"

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ اللہ آپ کو نورِ ہدایت عطا فرمائے، آپ کا بہت وقت لیا، اللہ حافظ۔" عابد صاحب کو پتا ہی نہ چلا، کب بڑے میاں الوداعی کلمات کہہ کر چلے گئے۔ عابد صاحب کو تو یوں لگ رہا تھا کہ اُن کی رگوں سے لہو کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

بے بسی کے عالم میں اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اُن کا دل کائنات کے بے حد رحیم و کریم مالک کے حضور جھکا چلا جا رہا ہے۔

!!!☆!!!

میرے پسندیدہ اشعار

آپ کے پسندیدہ اشعار پر مبنی "تعلیم و تربیت" کا نیا دل چسپ سلسلہ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی
(محمد مبین احمد، ساہی وال)

چاقو کی نوک سے کٹتی نہیں چراغ کی لو
بدن کے مرجانے سے کردار مر نہیں جاتا
(محمد عثمان اشرف، بہاول پور)

خطائیں دیکھتا بھی ہے، عطائیں کم نہیں کرتا
سمجھ میں آ نہیں سکتا، وہ اتنا مہربان کیوں ہے
(اسد عباس گوجرانوالا)

حالات کا رونا کیا رونا حالات نے کس کا ساتھ دیا
تم خود کو بدل کر دیکھو حالات بدلتے جائیں گے
(تاشف احمد، لاہور)

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
(محمد سمیع اللہ خرم، ڈیرہ غازی خان)

استاد کی عظمت کو ترازو میں نہ تولو
استاد تو ہر دور میں انمول رہا ہے
(شکیل اختر، فتح جنگ)

ہوس نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
(شہباز خان، شبقدر)

سبق ملا ہے معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(محمد تنویر انگرا، پیلو وینس)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
(فاطمہ ظفر، ساہی وال)

آؤ اپنے جسم چن دیں، اینٹ پتھر کی طرح
بے در و دیوار ہے، لیکن یہ گھر اپنا تو ہے
(محمد طاہر وسیم، جلال پور جٹاں)

محمد مصطفیٰؐ کے باغ کے کچھ پھول ایسے ہیں
جو بن پانی کے تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے
(فاطمہ گیلانی، کوہاٹ)

اے کاش! یہاں برس جائے نور کی بارش
ایمان کے شیشوں پہ بڑی گرد پڑی ہے
(محمد آصف ریاض، جھنگ)

ہمارا بھی لہو شامل ہے تزئینِ گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا، چمن میں جب بہار آئے
(عاقب جاوید، کوہاٹ)

ہم تو مرجائیں گے اے ارضِ وطن لیکن
تم زندہ رہنا قیامت کی سحر ہونے تک
(سدرہ، تلہ گنگ)

ہم نے سوکھی ہوئی شاخوں پہ لہو چھڑکا تھا
پھول اگر اب بھی نہ کھلتے تو قیامت کرتے
(ایمن سہیل، راول پنڈی)

اک چاند کی تلاش میں گھومے نگر نگر
لوٹے تو آسماں نے ستارے بچھا دیئے
(محمد عثمان قاسمی، جھنگ صدر)

کلیوں کو میں جگر کا لہو دے کر چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی
(محمد جعفر، خوشاب)

ہم کو شاہوں کی عدالت سے توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں
(سید توثیق حیدر، جھنگ صدر)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
(سیدہ تحریم، جلال پور جٹاں)

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرتِ حق ہر زبان پر
(کاشف نعیم، فتح جنگ)

گرتے ہیں شہہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے
(فرخ فاطمہ، حویلی لکھا)

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والے کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں
(ضیاء الرحمٰن ضیاء، ساہی وال)

توحید کی خوشبو سے مہکتا ہے میرا دل
اور اس کی صداؤں سے صدا آئے محمدؐ
(سید امیر حمزہ، میاں والی)

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
(محمد علی حسن، ڈیرہ غازی خان)

مسافر بن کر چلے ہیں زندگی کے طویل سفر پر
نہ جانے کب ختم ہو جائے زندگی کا یہ سفر
(آمنہ رزاق، کراچی)

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب
(رو اخان، فیصل آباد)

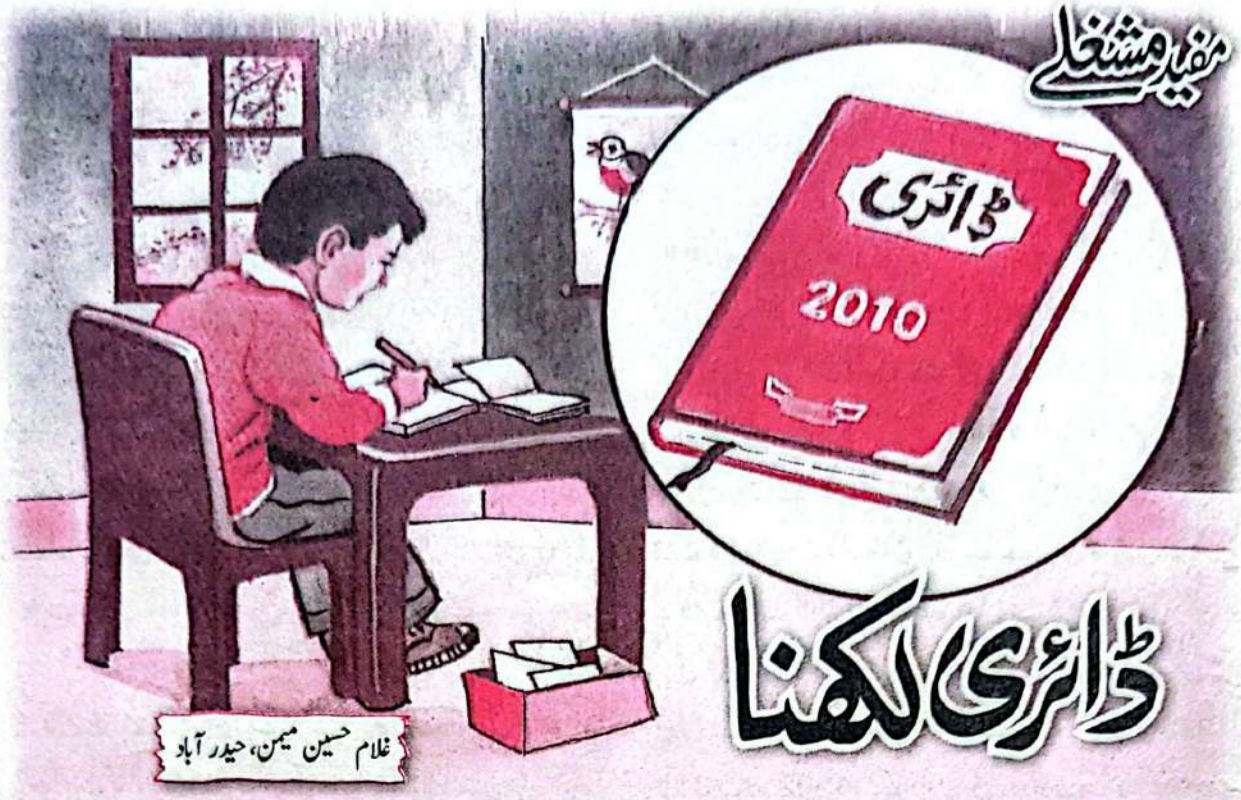

ڈائری لکھنا

غلام حسین میمن، حیدر آباد

انسان اپنے معمولات کے علاوہ کچھ مفید کام بہ طور مشغلہ بھی کرتا ہے۔ آپ طالب علم ہیں اور یقیناً آپ کا ہر مشغلہ آپ کے علم میں اضافے کا باعث ہونا چاہیے۔ ہم "مفید مشغلے" کے اس سلسلے میں آپ کو ہر بار کسی نہ کسی نئے مشغلے کی اہمیت اور فوائد سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔ نئے سال کے آغاز سے ہی کچھ لوگ ڈائری لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ڈائری کیا ہوتی ہے؟ ایک عام سی کاپی یا نوٹ بک، مگر جب یہ ڈائری کی شکل اختیار کر لے تو پھر اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ ڈائری کو ہم اپنی پیاری اُردُو زبان میں "روزنامچہ" بھی کہہ سکتے ہیں، مگر اس کا انگریزی نام ڈائری (Diary) اب اُردُو میں اس طرح رائج ہو چکا ہے کہ اب یہ اُردُو زبان کا ہی حصہ بن چکا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ روزنامچہ یا ڈائری کیوں لکھی جائے.....؟ یہ یاد رکھے کہ ہمارا آج جو گزر گیا وہ کل ماضی کا حصہ بن جائے گا۔ ہم اپنے آج کے اہم لمحوں کی روداد، کیے گئے کام کا احوال، کسی واقعے سے متاثر دل کی کیفیت، کسی سے کیا ہوا وعدہ، کسی دیرینہ دوست یا اہم شخصیت سے ملاقات کی تفصیل یا پھر روز مرہ کے اہم ملکی و غیر ملکی واقعات کا تذکرہ ہم ڈائری میں لکھ سکتے ہیں۔ انسانی ذہن بہت سی باتوں، واقعات کی تفصیل اور ان کے حوالے سے ماہ و سال بھول سکتا ہے، مگر لکھے ہوئے حروف جو ڈائری یا کاغذ پر موجود ہوتے ہیں، وہ باقی رہ کر ہماری یادیں تازہ کرتے ہیں۔

آپ اب یقیناً یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ ڈائری کیسے لکھی جائے؟ اُردُو میں یوں تو کئی شخصیات کے روزنامچے لکھنے کا ذکر ملتا ہے، مگر ان میں اہم حوالہ خواجہ حسن نظامی کا ہے، جو معروف ادیب اور صحافی تھے۔ خواجہ حسن نظامی 27 دسمبر 1878ء کو پیدا ہوئے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی ہمشیرہ کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے کئی اخبار اور رسالے جاری کیے۔ آپ "منادی اخبار" میں اپنا روزنامچہ لکھتے تھے۔ ادبی خدمات کے صلے میں "شمس العلماء" (عالموں کا سورج) کا خطاب بھی ملا۔

آپ کا 31 جولائی 1955ء کو انتقال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے احاطے میں دفن ہوئے۔ دہلی کے افسانے اور بیگمات کے آنسو ان کی معروف کتابیں ہیں۔

روزنامچہ لکھ کر شائع کرانے کے حوالے سے دُوسرا اہم نام بیگم حجاب امتیاز علی تاج کا ہے، جو معروف ادیب سید امتیاز علی تاج کی اہلیہ تھیں۔ بیگم حجاب خود بھی ادیبہ تھیں۔ انھیں

ہندوستان کی پہلی خاتون پائلٹ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ظالم محبت، صنوبر کے سائے، لیل ونہار اور تصویر بتاں ان کی معروف کتب ہیں۔ انہوں نے 6 ستمبر 1965ء تا 23 ستمبر 1965ء (وہ سترہ دن جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور ناکام ہو کر ذلت سے دوچار ہوا) کی ڈائری کے اوراق "موم بتی کے سامنے" کے عنوان سے شائع کروائے، جو انہوں نے بلیک آؤٹ (جنگ کے موقع پر ہوائی حملے سے بچاؤ کے لیے اندھیرا کر دینا) کے دوران لکھے تھے۔ اس میں جنگ کے دوران پیش آنے والے واقعات کا حال اور اُن کی دلی کیفیت کا عکس نمایاں ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"جنگ ایک سڑی ہوئی متعفن (سڑا ہوا۔ بدبودار) لاش کی علامت ہے اور امن ایک مہکتا ہوا پھول۔ واہگہ کی سرحد ہو یا سیالکوٹ کا محاذ، بھارتی سپاہی کی جان جائے یا پاکستانی مجاہد شہید ہو، ان کے کنبے پر ایک سی تباہی اور بربادی آتی ہے۔ ان باتوں پر کون غور کرے، کون سمجھائے۔ اس وقت ہمیں اعلیٰ معیار کے ایسے مفکروں کی ضرورت ہے جو جنگ وامن کے سلگتے ہوئے مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور انسانی آلام ومصائب پر ہمدردی سے سوچیں۔ یاد رکھیں، جنگیں ہمیشہ قوموں کی نہیں جبلتوں (فطرت، طبیعت) کی ہوتی ہے۔"

ڈائری کے حوالے سے تیسرا اہم حوالہ بچوں کے ہم درد حکیم محمد سعید شہید کا ملتا ہے۔ وہ باقاعدہ اپنا روزنامچہ لکھتے تھے اور کئی روزنامچے جو انہوں نے سفر کے دوران لکھے، وہ سفر نامے کا عنوان دے کر شائع بھی کیے گئے۔ ان کا بچوں کے لیے یہ کام یاد رہے گا کہ انہوں نے بچوں کے علیٰحدہ ڈائری لکھی جو "سچی کہانی" کے نام سے بارہ مہینوں کی بارہ کتابوں کی شکل میں بچوں کے مطالعے کے لیے موجود ہے۔ یہ یکم جنوری 1992ء تا 31 دسمبر 1992ء کے دنوں کی روداد ہے۔ چند اقتباسات آپ کے لیے حاضر ہیں۔

2 جنوری 1992ء

"میں کل رات نو بجے سو گیا تھا۔ صبح 3 بجے جاگ گیا۔ چھ گھنٹے سو کر میں خود کو تازہ محسوس کر رہا تھا۔ صبح ساڑھے چھ بجے سے ڈھائی بجے تک زکام اور بخار میں مریضوں کی خدمت کرتا رہا۔ سوا نو بجے رات گھر آگیا۔ تھکن سے چور تھا، مگر دیکھا کہ ماموں زاد بھائی حکیم اقبال احمد گھر آئے ہیں۔ وہ کل دلی

واپس جا رہے ہیں، سلام کرنے آئے تھے۔ میں تھکن کو بھول گیا۔ ان کی محبت پر فدا ہو گیا۔"

25 مارچ 1992ء

"صبح تین بجے سے ساڑھے چار بجے تک کا وقت میں نے عبادت میں گزارا۔ پھر میں نے اپنی ڈاک کو سنبھالا، بہت سے عید کارڈ آئے ہیں۔ اب ان کا جواب الگ الگ تو لکھنا ممکن نہیں۔ میں نے ایک جواب آج لکھ دیا ہے۔ اُسے اب چھاپ لیا جائے گا۔ میں ان چھپے ہوئے خطوط پر نام اپنے ہاتھ سے لکھوں گا اور دستخط کر کے بھجوانا شروع کروں گا۔

سات بجے دفتر آیا۔ جناب رفیع الزمان زبیری سے اُردو سائنس انسائیکلو پیڈیا کے ڈیزائن پر تبادلہ خیال ہوا۔ بیت الحکمۃ (حکیم محمد سعید کے بسائے ہوئے مدینۃ الحکمۃ کی بڑی لائبریری کا نام ہے) سے ایک نہایت اہم خط غائب ہو گیا ہے۔ ہم سب پریشان رہے، پھر خبر ملی کہ وہ خط مل گیا ہے۔ یہ خط ڈاکٹر ذاکر حسین خان نے قائد اعظم محمد علی جناح کو پاکستان بن جانے کے بعد لکھا تھا۔ اب یہ اصل خط بیت الحکمۃ میں ہے۔ بڑا تاریخی خط ہے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔"

ڈاکٹر ذاکر حسین ہندوستان کے ماہر تعلیم اور سیاست دان تھے، جو علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر اور ہندوستان کے صدر بھی رہے۔

ان مثالوں کے ذریعے آپ کو ڈائری لکھنے کی اہمیت اور طریقہ کار سے آگاہ کرنا تھا۔ آپ چاہیں تو اس انداز سے بھی ڈائری لکھ سکتے ہیں، جو ایک بچے عدیل نے لکھی ہے۔

"آج صبح بیدار ہوا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ سخت سردی اور سستی میں دل نے کہا کہ ابھی اور سولوں، مگر پھر ہمت کر کے بسم اللہ پڑھی اور اُٹھ گیا۔ وضو کے بعد نمازِ فجر ادا کی اور پھر اسکول جانے کی تیاری شروع کی۔ آج امی نے نصیحت کی کہ بیٹا رات کو جلد سونے کی عادت ڈالو تاکہ صبح جلد اُٹھنے میں پریشانی نہ ہو۔ علم اور عزت اسے ہی ملتی ہے جو جلد سوتے اور جلد اٹھتے ہیں۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا ہی کروں گا۔ شام کو ٹیوشن کے بعد عادل، وسیم اور یاسر کے علاوہ دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ کرکٹ کھیلی، مگر اِسی دوران نمازیں بھی باقاعدگی سے ادا کیں۔ رات کو عشاء کے بعد ماموں جان آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بچوں کے لیے لکھنے والے ملکی اور غیر ملکی ادیبوں کے بارے میں بتایا اور کتابیں پڑھنے کا بھی مشورہ دیا۔ اُن کے جاتے ہی تقریباً 10 بجے میں سو گیا۔"

کیا آپ بھی نئے سال سے ڈائری لکھنا اپنا معمول بنائیں گے.....؟

کرنیں

- اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں۔
- دشمن سے ایک بار اور دوست سے ہزار بار ڈرو کیوں کہ اُسے تمہاری کمزوریاں معلوم ہیں۔
- سادگی ایمان کی علامت ہے اور خاموشی بہترین حکمت ہے۔
- ذہنی صلاحیت آرام کرنے سے نہیں استعمال کرنے سے بڑھتی ہے۔
- جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔
- ہمت فتح کا پہلا زینہ ہے، زندگی اس کے بغیر بے کار ہے۔
- علم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے، اگر یہ آپ کے پاس ہے تو کوئی آپ کو شکست نہیں دے سکتا۔
- اگر انسان کسی کام کرنے کا ارادہ کر لے تو پھر اُس کے راستے کی ہر رکاوٹ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔
- جو وقت کو ضائع کرتے ہیں وقت اُسے ضائع کر دیتا ہے۔

(ریحان احمد، کراچی)

کبھی تم بھلاؤ نہیں

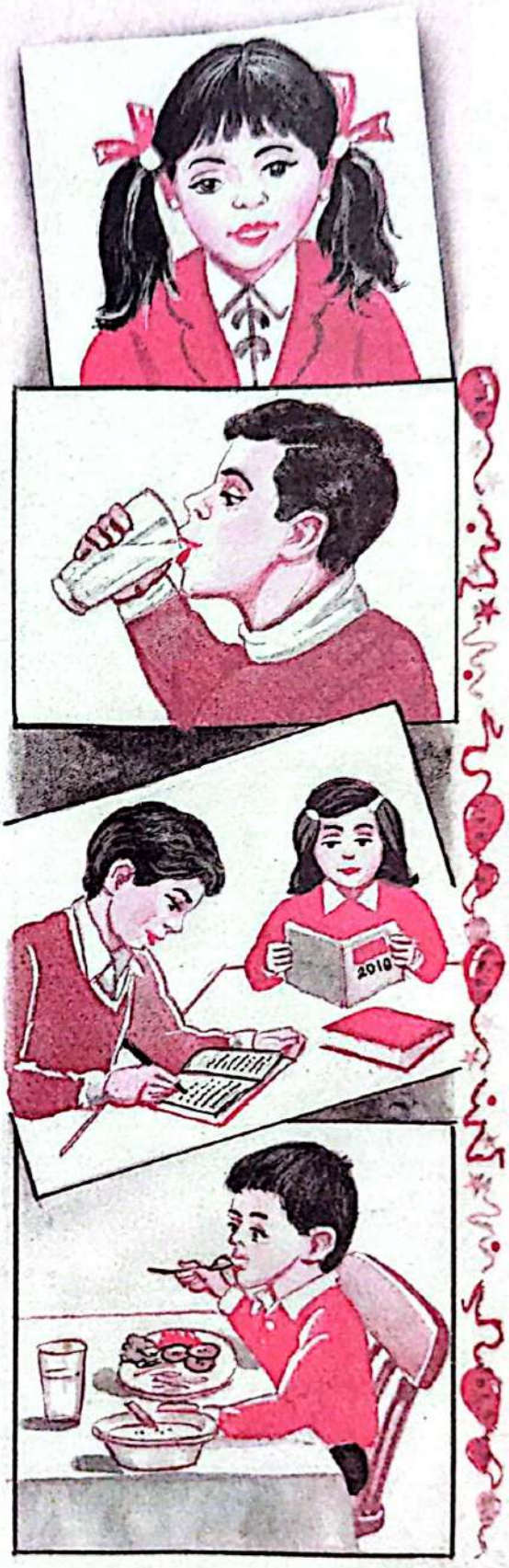

بڑا قیمتی ہے گنواؤ نہیں
تمہیں وقت سے کیوں لگاؤ نہیں

رکھو دوستی نیک لوگوں سے تم
کہیں بے سبب آؤ جاؤ نہیں

لگے بھوک جب ، کھاؤ جی بھر کے تم
بلا بھوک ہر وقت کھاؤ نہیں

اٹھو منہ اندھیرے اگر ہو سکے
خدا کو کبھی تم بھلاؤ نہیں

کسی سے نہ تم جھوٹے وعدے کرو
زباں پر کبھی جھوٹ لاؤ نہیں

پیو پانی جب پیاس تم کو لگے
اسے بے ضرورت بہاؤ نہیں

رہو پاک اور باعمل دوستو
خیالی پلاؤ پکاؤ نہیں !

پڑھو دل لگا کر جو مضمون ہو
پڑھائی سے جی کو چراؤ نہیں

یہ باتیں بڑی قیمتی ہیں افق
یہ باتیں کبھی تم بھلاؤ نہیں

افق دہلوی، لاہور

دوسرا موقع

محمد فہیم عالم، لاہور

عبد المجید سسکیوں کی آواز سن کر چونک اٹھے۔ اُن کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ سسکیوں کی آواز ان کی کوٹھی کے پیچھے بنے ہوئے کوارٹر سے رہی تھی۔ انہوں نے اپنی گھڑی پر نظر دوڑائی۔ رات کا نصف سے زیادہ حصہ گزر چکا تھا۔

"یہ اتنی رات گئے کون رو رہا ہے؟" انہوں نے سوچا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ چوکی دار نے دروازہ کھولا تھا۔ عبد المجید نیو ائیر پارٹی سے آرہے تھے۔ ہر سال کی طرح انہوں نے اس سال بھی نئے سال کی آمد پر نیو ائیر نائٹ کا اہتمام کیا تھا اور یہ پارٹی انہوں نے شہر کے ایک بہترین ہوٹل میں دی تھی۔ اس پارٹی پر انہوں نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ چند لاکھ روپے بھلا ان کے سامنے کیا حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ایک بڑے بزنس مین تھے۔ شہر میں ان کے کپڑوں کے کئی کارخانے تھے۔

ان کا شمار شہر کے چند دولت مند ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس نیو ائیر پارٹی پر انھوں نے اپنے سبھی دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ پارٹی کی ابتدا نئے سال کی آمد پر کیک کاٹ کر کی گئی۔ جس پر انتہائی خوب صورتی سے "ہیپی نیو ائیر نائٹ" لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہوائی فائرنگ کی گئی اور پٹاخے فضا میں چھوڑے گئے۔ میوزک شو کے لئے انہوں نے ملک کے ایک نامور گلوکار کو بلوایا تھا۔ میوزک شو کے بعد کھانے کا دور چلا۔ یوں ہلا گلا کرتے ہوئے وہ ہر سال کی طرح نیو ائیر نائٹ کی پارٹی سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

تمام مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد انھوں نے گھر کی راہ لی تھی۔

گھر میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ ان کی بیگم ایک این جی او کی رُکن تھیں۔ وہ این جی او کی طرف سے دی گئی نیو ائیر نائٹ پارٹی میں گئی ہوئی تھیں۔ اُن کا اکلوتا بیٹا حامد بھی اپنے دوستوں کی طرف سے دی گئی پارٹی سے ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔

سسکیوں کی آواز سن کر عبدالمجید نے کچھ سوچ کر اپنے قدم اپنے کمرے کی بجائے، کوٹھی کے پیچھے بنے ہوئے ملازمین کے کوارٹروں کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ کوارٹروں کے قریب پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ سسکیوں کی آواز ان کے باورچی بابا نواز کے کوارٹر سے آرہی تھی۔

"بابا نواز اتنی رات گئے کیوں رو رہے ہیں؟" وہ بڑبڑائے۔

وہ تیزی سے بابا نواز کے کمرے کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ دروازے پر دستک دینے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ کھلی ہوئی کھڑکی سے اندر کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ بابا نواز

جائے نماز پر بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آنسو اُن کی سفید داڑھی میں موتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ کھڑکی سے جھلکتی ہوئی چاند کی روشنی نے بابا نواز کے نورانی چہرے کو اور بھی پُر نور بنا دیا تھا۔ عبدالمجید نے غور سے سنا تو بابا نواز کی کانپتی ہوئی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔

"میرے سوہنے ربا! بے شک تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ لوگوں کے حالات کو پھیرنا..... تُو جس کو چاہتا ہے..... عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ میرے سوہنے مالک! ہمارا ایمان ہے، اگر تُو چاہے تو پل بھر میں فقیر کو بادشاہ کر دے اور اگر چاہے تو شاہ کو فقیر کر دے۔ میرے مولا! ایک وہ دور بھی تھا جب تیری نعمتیں مجھ پر بارش کی طرح برستی تھیں۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔ میں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور سینکڑوں ملازم رکھنے والا آج خود ملازم بن چکا ہے۔

عبدالمجید، بابا نواز کے الفاظ سن کر چونک اٹھا۔ یہ بات تو انھیں آج معلوم ہوئی کہ بابا نواز کوئی خاندانی باورچی نہیں تھا۔ حالات نے اسے باورچی بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ بابا نواز کے الفاظ نے ایک پھر ان کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

"میرے مولا! میں تیرے سوہنے دربار میں شکوہ نہیں کر رہا۔ میرے مولا! بھلا غلام کو اپنے آقا کے سامنے شکوہ کرنے کا کیا اختیار، میرے مولا تیرا شکر ہے۔ ہر حال میں تیرا شکر ہے۔ میرے مولا! آج سے نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ میرے سوہنے ربا میں مانتا ہوں کہ میں بہت گناہ ہوں۔ سیاہ کار ہوں۔ یا اللہ! میں..... مانتا ہوں کہ میرا پچھلا سال تیری نافرمانیاں کرتے ہوئے اور تیری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہوئے گزرا ہے۔ یا اللہ! میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، اے اللہ! تُو مجھے معاف کر دے، معاف کر دے۔"

بابا نواز نے گڑگڑانا شروع کر دیا۔ رونے اور سسکیوں کی آواز اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ عبدالمجید کو بابا نواز کے الفاظ اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ان کے دل کی دُنیا میں عجیب تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ انھوں نے سنا بابا نواز سسکیوں بھری آواز میں کہہ رہے تھے۔

"میرے سوہنے ربا! رب میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گناہ نہیں کروں گا، اس سال تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔

بابا نواز کی آہ وبکار اور سسکیاں جا رہی تھیں۔ اِدھر عبدالمجید کے دل کی دُنیا بدل چکی تھی۔ اب بابا نواز کی سسکیوں کے ساتھ اس کی سسکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ وہ کتنے گناہ

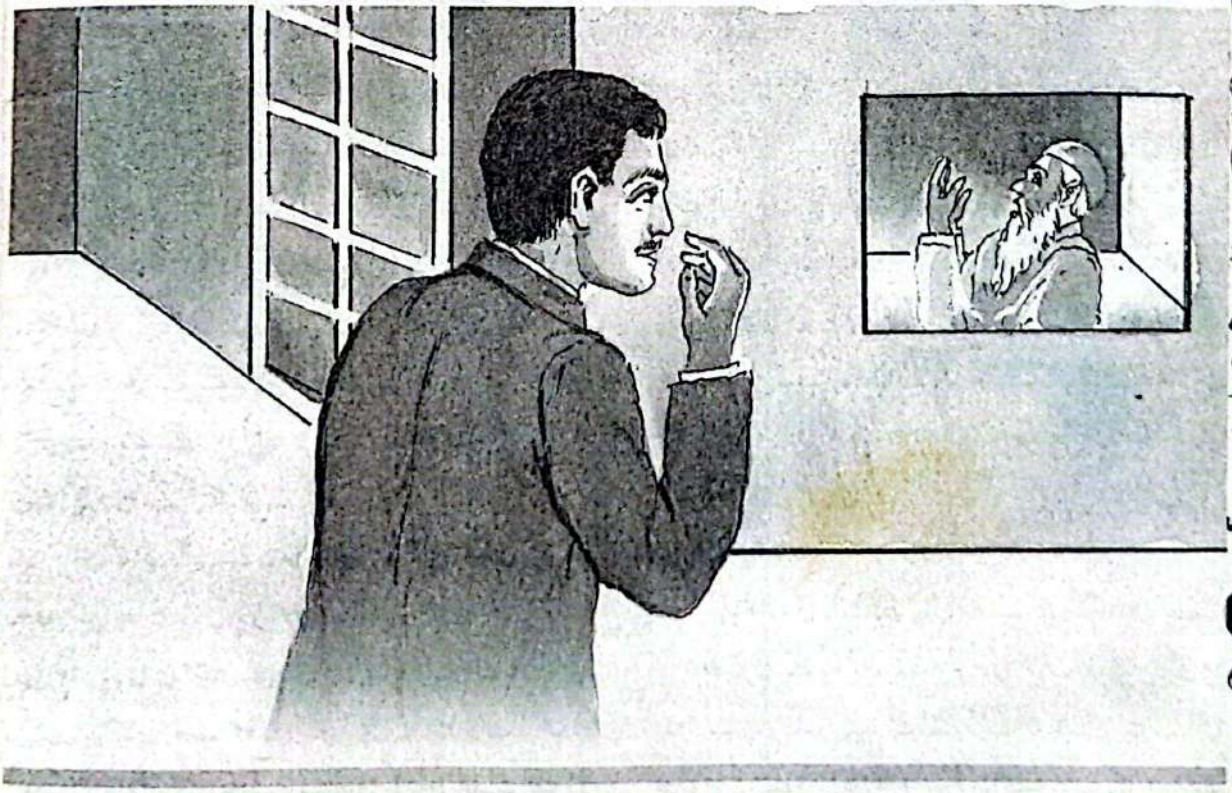

گار تھے۔ وہ پڑھ لکھ کر بھی اپنے رب سے کتنے دُور تھے۔

"یا اللہ! تُو مجھے بھی معاف کر دے۔ یا اللہ! تُو مجھ پر کس قدر مہربان ہے کہ تُو نے ہر چیز مجھے عطا کی، دولت، عزت اور سکون لیکن میں تیری ناشکری کرتا رہا۔ تیری نافرمانی کرتا رہا، تُو مجھے معاف کر دے۔" عبدالمجید کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ندامت اور پچھتاوے کے آنسو۔

پھر کچھ دیر بعد فجر کی اذان شروع ہوئی۔ اذان کے سحر انگیز الفاظ اُن کے کانوں کو مسحور کر رہے تھے۔ وہ بے اختیار اٹھے اور نہ جانے کتنے سالوں بعد انہوں نے نماز پڑھی۔ نماز میں ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر اپنے گناہوں اور اپنے خالق سے غفلت پر روتے رہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اپنے دل میں ایک انجانا سا سکون محسوس کر رہے تھے۔ اپنے غفور کریم رب سے رو کر انہوں نے اپنے سب گناہ دھلوا لیے تھے۔ اُدھر نئے سال کا سورج طلوع ہو رہا تھا اور اِدھر ان کے دل میں ایک سورج طلوع ہو چکا تھا۔ ایمان کا سورج جو ان کے دل میں ایمانی حلاوت کی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ نماز کے فوراً بعد انہوں نے اپنے گھر کی طرف رخ کیا۔ انھیں اپنے گھر والوں کے دلوں میں بھی تو یہ سورج طلوع کرنا تھا۔

سچی باتیں، اچھی باتیں

☆ جو شخص اپنے اخلاص کی قسمیں کھائے اُس پر اعتبار مت کرو۔

☆ آنسو بہاؤ اور خوب بہاؤ، یہ سوچ کر نہیں کہ ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں بلکہ یہ سوچ کر کہ ہم کتنے گناہ گار ہیں۔

☆ کوئی چیز چھوٹی اُسی وقت نظر آتی ہے جب اُسے دُور سے دیکھا جائے یا غرور سے۔

☆ زندگی اتنی تلخ بھی نہیں ہے کہ اس سے بھاگا جائے، مگر یہ اتنی شیریں بھی نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے۔

☆ حقیقی غلطی وہ ہے جس سے ہم کچھ نہیں سیکھتے۔

☆ نیک عمل وہ ہے جس پر لوگوں کی تعریف کی اُمید نہ رکھی جائے۔

☆ علم کی طلب سے شرم مت کرو کیوں کہ جہالت زیادہ باعثِ شرم ہے۔

☆ غصہ ایک آندھی ہے جو عقل کا چراغ بجھا دیتی ہے۔

(عروج فاطمہ، لاہور)

☆ مایوسی انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

معلوماتِ عامہ

☆پاکستان کے ٹیسٹ کرکٹر جاوید میانداد نے سب سے کم عمری میں ڈبل سینچری بنائی۔

☆مشہور باکسر محمد علی نے 1960ء کے روم اولمپک میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔

☆ہاشم خان کو اسکوائش کا جادوگر کہتے ہیں۔

☆ٹیسٹ کرکٹ میں ایک سال میں سب سے زیادہ رنز بنانے والے کھلاڑی محمد یوسف ہیں۔

☆دُنیا کے سب سے کم عمر ورلڈ اسکوائش چمپئن جیتنے کا اعزاز جہانگیر خان کے پاس ہے۔

☆جمناسٹک کی ابتداء یونان سے ہوئی تھی۔

☆پاکستان ہاکی ٹیم کے پہلے کپتان کا نام اقتدار علی شاہ تھا۔

(عاصمہ محبوب، میاں والی)

☆نجد و حجاز سعودی عرب کا پرانا نام ہے۔

☆مصورِ مشرق مشہور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کو کہا جاتا ہے۔

☆زمین پر سب سے پہلی جنگ ہابیل اور قابیل کے درمیان ہوئی۔

(حبیبہ سلامت، لاہور)

☆انسانی جسم میں جتنا فاسفورس ہوتا ہے اس سے دیا سلائی کی دو ہزار تیلیاں بن سکتی ہیں۔

☆انسانی چھینک کی رفتار 100 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

☆صحت مند انسان کو نیند آنے میں اوسطاً سات منٹ لگتے ہیں۔

☆گردہ ہر روز تقریباً 50 گیلن خون فلٹر کرتا ہے۔

☆چمگادڑ واحد پرندہ ہے جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے۔

(محمد آصف ریاض، جھنگ صدر)

☆مصر کی کرنسی کا نام مصری پاؤنڈ ہے۔

☆سوڈان کی کرنسی کا نام سوڈانی پاؤنڈ ہے۔

☆مراکش کی کرنسی کا نام درہم ہے۔

☆کویت کی کرنسی کا نام کویتی دینار ہے۔

☆انڈیا کی کرنسی کا نام روپیہ ہے۔

☆چین کی کرنسی کا نام ڈالر یوان ہے۔

☆ترکی کی کرنسی کا نام لیرا ہے۔

☆جاپان کی کرنسی کا نام ین ہے۔

☆عراق کی کرنسی کا نام دینار ہے۔

☆فرانس کی کرنسی کا نام فرانک ہے۔

(عاقب جاوید، کوہاٹ)

☆دُنیا کا سب سے بڑا تالا لاہور میں بنایا گیا۔

☆دُنیا میں سب سے زیادہ کھایا جانے والا پھل کیلا ہے۔

☆پانچ ہزار چھ سو بستروں پر مشتمل دُنیا کا سب سے بڑا ہسپتال شکاگو میں ہے۔

☆ہاتھی اور گھوڑا ایسے جانور ہیں جو کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں۔

☆دُنیا میں سب سے لمبا پل امریکہ میں ہے۔

(محمد فرخ حیات، پیر محل)

☆چیتا 90 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے۔

☆شیر کی رفتار 50 کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔

☆ڈولفن کی رفتار 36 کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔

(سلمٰی صفی، ٹمن)

☆دُنیا کے ہر ڈاک ٹکٹ پر اس ملک کا نام لکھا ہوتا ہے، صرف انگلینڈ ایسا ملک ہے جس کے ٹکٹ پر ملک کا نام لکھا ہوا نہیں ہوتا۔

☆جس طرح انسانوں کی انگلیوں کے نشانات دُوسرے انسانوں کی انگلیوں سے نہیں ملتے، اسی طرح ہر زیبرے کے جسم کی دھاریاں بھی دُوسرے زیبروں سے مختلف ہوتی ہیں۔

☆لال بیگ سر کٹ جانے کے باوجود کئی ہفتے تک زندہ رہ سکتا ہے۔

(محمد ضیاء اللہ، میاں والی)

☆انسان کے ایک گردے کا وزن تقریباً آدھ پاؤ ہوتا ہے۔

☆اوسطاً انسانی دل کا وزن 12۔ اونس ہوتا ہے۔

☆انسانی دل کی لمبائی تقریباً 6 انچ ہوتی ہے۔

(محمد لقمان اعوان، کوہاٹ)

یہ تھی وجہ!

(رانا محمد شاہد، بورے والا)

"وہ دیکھو عاقب اِدھر ہی آرہا ہے، چلو چلتے ہیں۔" شکیل نے کہا اور سب دوست اُٹھنے لگے۔

"کہاں جارہے ہو؟" عاقب نے قریب آکر پوچھا۔

"ہم آئس کریم کھانے جارہے ہیں۔" شکیل نے کہا۔

عاقب بولا: "بیٹھو، میں یہیں آئس کریم لے آتا ہوں۔"

"کیا خیال ہے دوستو! آئس کریم کا پروگرام کل پہ رکھ لیتے ہیں، اس وقت چلتے ہیں، ٹیوشن کا وقت ہو رہا ہے۔"

شکیل نے عاقب کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو سب لڑکے اٹھے اور چل دیئے۔ وہ حیرت سے اُن کو جاتے دیکھتا رہا۔

عاقب کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ چند دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے وہی دوست جو اُس کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، ہنستے کھیلتے اور کھاتے پیتے تھے، اب اُس سے دُور دُور رہنے لگے تھے۔ اُس نے بہت سوچا، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ اُس کے دوست اس سے کیوں اکتاہٹ محسوس کرنے لگے ہیں۔ وہ جب بھی کسی لڑکے سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھنا چاہتا تو سب اُسی وقت اٹھ کر چلے جاتے اور کوئی اس کی بات کا جواب نہ دیتا۔

"میں تو ہمیشہ سب کے کام آتا ہوں، کسی کو پڑھائی میں مدد دے دی، کسی کو کتاب کی ضرورت ہوئی تو اُسے کتاب دے دی، کوئی فیس لانا بھول گیا تو اُس کی فیس ادا کر دی۔ دوستو کو آئس کریم، برگر، بوتل نہ جانے کیا کیا کھلاتا پلاتا ہوں، پھر میرے ساتھ دوستوں کا ایسا رویہ کیوں ہے؟"

عاقب سوچ سوچ کر عاجز آچکا تھا۔ لیکن دوستوں کا رویہ اُس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ تمام دوست اُس سے دُور دُور رہتے تھے۔

عاقب پریشان رہنے لگا اور اسی پریشانی کی وجہ سے بیمار پڑ گیا۔ اُس نے اپنی پریشانی کی وجہ گھر میں بھی نہ بتائی تھی۔ جب اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اس کے ابو نے ڈاکٹر صاحب کو بلا لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کے بعد بتایا کہ عاقب کسی صدمے کی وجہ سے بیمار ہوا ہے۔

ایک دن عاقب کا دوست شکیل اُس کے گھر آیا اور عاقب کے ابو کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ عاقب اُس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ شکیل جاتے ہوئے کہہ گیا۔

"انکل! کل ہم سب دوست عاقب کی عیادت کے لئے آئیں گے۔"

اگلے دن شام کے وقت عاقب کے ابو نے جب یہ بتایا کہ اس کے دوست اس کی عیادت کے لئے آرہے ہیں تو وہ بہت حیران ہوا۔

"میرے دوست، میری عیادت کے لئے آرہے ہیں۔" عاقب کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی بیٹا! کل آپ کا دوست شکیل آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ تمہاری بہت تعریف کر رہا تھا لیکن....." عاقب کے ابو کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔

"لیکن..... لیکن کیا؟ ابو بتایئے نا۔" وہ بے چینی سے بولا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ تم میں ایک بُری عادت ہے اور اسی وجہ سے آپ کے دوست آپ سے دُور دُور رہتے ہیں۔"

"بُری عادت۔" عاقب نے دہرایا۔

تم میں یہ بُری عادت ہے کہ جب تم کسی دوست کو کچھ کھلاتے ہو یا اُس کی کسی طرح مدد کرتے ہو تو دُوسروں کو بتاتے پھرتے ہو، اِس طرح تمہارے دوستوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ وہ خود کو چھوٹا اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے وہ تم سے دُور رہنے لگے ہیں۔"

ابو جان کی یہ باتیں سن کر عاقب نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"ابو جان! آئندہ میں اپنے دوستوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھوں گا۔ مجھے پتا چل گیا ہے کہ میرے دوست مجھ سے کیوں ناراض ہیں۔" عاقب نے یہ کہا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسی لمحے اس نے دیکھا کہ کتنے ہی دوست اُس کے آنسو پونچھنے کے لئے آگے بڑھے۔

"عاقب! تمہاری آنکھوں میں آنسو ہمیں کسی صورت بھی گوارا نہیں۔"

شکیل نے یہ کہا اور آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا۔

(پہلا انعام: 200روپے کی کتب)

برف کی قلفی

(سید انجم حسین، کراچی)

"اسکول میں چھٹی ہوئے ابھی صرف 10 منٹ ہی ہوئے تھے۔ بچے اپنی اسکول کی بسوں میں بیٹھ رہے تھے تو کچھ بچے امی، ابو اور دادا جان کا انتظار درختوں کے سائے تلے بیٹھے کر رہے تھے، کچھ بچے کھیل کود میں مشغول تھے۔ ہر بچہ اپنی اپنی دل چسپی کے مطابق

مصروف تھا۔ اسکول کی کینٹین سے چیزیں خرید کر کھانے والوں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ یہ منظر حسنین روز دیکھتا تھا۔ اُس کا دل بھی آئس کریم، چپس، برگر اور چاکلیٹ کھانے کو چاہتا، مگر حسنین کی امی جان تو اسے پیسے دیتی ہی نہیں تھیں۔ وہ تو ہر روز اسے صاف ستھرا مزے دار لنچ دیتی تھیں۔ وہ کئی بار امی سے کہہ چکا تھا کہ وہ اُسے باہر کی چیزیں خریدنے کے لیے پیسے دیا کریں، مگر امی جان اس کی یہ فرمائش پوری نہ کرتی تھیں۔ حسنین پہلی جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس لیے اُسے چھٹی جلدی ہو جاتی تھی، لیکن دادا جان اسے ایک بجے لینے کے لیے آتے تھے۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ ساتھی بھی دیر سے جاتے تھے، اس لیے وہ اداس نہیں ہوتا تھا۔

وہ پیر کی شام تھی۔ حسنین دادا جان کے ساتھ ہر روز کی طرح سیر کے لیے قریبی پارک میں موجود تھا۔ راستے میں اُس نے دادا جان سے کہا۔

"دادا جان! مجھے پانچ روپے دیے دیجئے۔"

دادا جان نے جیب سے پانچ روپے کا سکہ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ حسنین کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

گھر پہنچ کر اُس نے پانچ روپے کا سکہ بستے میں رکھ لیا۔

اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی۔ حسنین ہشاش بشاش اسکول گیا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مس سے پوچھتا رہا۔

"مس چھٹی کب ہو گی؟"

اس کے پوچھنے پر مس چونک کر اسے دیکھتیں کیونکہ اس نے پہلے کبھی اس طرح بار بار چھٹی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

چھٹی ہوئی تو وہ سیدھا کینٹین گیا۔

"انکل! ان پیسوں کی آئس کریم دے دیں۔" اس کے ہاتھ میں پانچ روپے کا سکہ دیکھ کر انکل نے جواب دیا۔

"ان پیسوں کی تو کھوئے کی بجائے برف کی قلفی آئے گی۔"

"انکل! برف کی قلفی ہی دے دیں۔" حسنین بولا۔

اُسے برف کی قلفی کھاتے دیکھ کر دانیال نے کہا۔

"تم سردی میں برف کی قلفی مت کھاؤ، اس سے تمہارا گلا خراب ہو جائے گا۔" حسنین نے دانیال کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور چند منٹوں ہی میں برف کی قلفی چٹ کر گیا۔

گھر جا کر اُس نے کھانا کھایا اور لیٹ گیا۔ دادا جان شام کے وقت سیر کے لئے جانے لگے تو حسنین کو جگانے کے لئے

اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر بولے۔

"حسنین کو تو بخار ہے۔"

کچھ ہی دیر بعد حسنین کھانستے کھانستے اٹھ بیٹھا۔ اُس وقت ابو گھر آچکے تھے۔ وہ اُسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوا لکھ دی۔ انہوں نے اسے ٹھنڈی چیزیں کھانے سے سختی سے منع کیا۔ وہ تین دن اسکول بھی نہ گیا۔ برف کی قلفی نے اس کا گلا خراب کر دیا تھا، جس سے اُسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ اب سمجھ گیا تھا کہ اُس کی امی اُسے پیسے کیوں نہیں دیتی تھیں۔ امی جان کے ہاتھوں کی بنی مزے دار چیزوں کا بھلا بازار میں بکنے والی چیزوں سے کیا مقابلہ۔ حسنین نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بازار کی اشیاء کی بجائے امی جان کے ہاتھوں کی پکی مزے دار چیزیں لے کر اسکول جائے گا تا کہ وہ بیمار ہونے سے بچ جائے۔

(دُوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

نیا سال

(صبا احمد، واہ کینٹ)

میں جب کمرے میں داخل ہوا تو میرے بھتیجے، بھتیجیوں نے مجھے دیکھتے ہی خوشی سے نعرہ بلند کیا۔

"ہاں بچو! کیا پروگرام بنایا جا رہا ہے؟" میں بھی کمرے میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

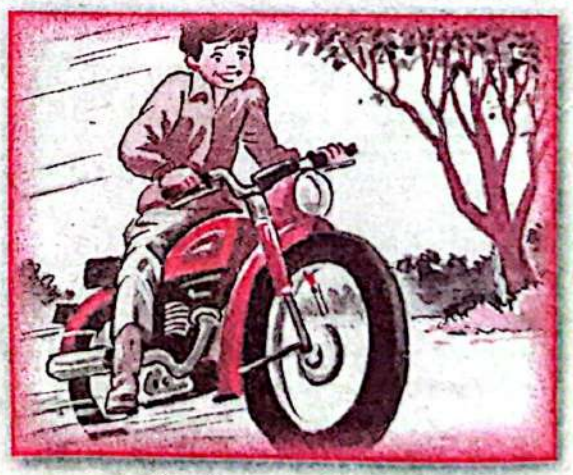

"چاچو! ہم تو نیو ائیر منانے کے لئے پلان بنا رہے ہیں لیکن شہزاد ہماری بات نہیں مان رہا۔ ہم سب کا گھر پر پارٹی کرنے کا پروگرام ہے اور اسے دوستوں کے ساتھ باہر جانا ہے۔" مریم نے شہزاد کی شکایت لگائی۔

"چاچو! میں اپنے دوستوں کو ناراض نہیں کر سکتا، ان کا پروگرام موٹر سائیکل کی ریس لگانے کا ہے۔" شہزاد نے وضاحت کی۔

مجھے یہ باتیں سن کر دُکھ ہوا کہ سارے بچے کس فضول بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

"چند برس پہلے میں بھی نئے سال کے آغاز پر یہی کچھ کیا کرتا تھا۔ میں نے بچوں کو مخاطب کیا۔

"پھر چاچو!" سب ایک ساتھ بولے۔

"پھر میری زندگی میں ایسا واقعہ پیش آیا، جس نے مجھے بہت دُکھ دیا اور ساتھ ہی مجھے زندگی گزارنے کے لئے بہترین سبق دیا۔"

"کیسا سبق؟" شہزاد نے پوچھا۔

"وہ 31 دسمبر کی رات تھی، ہم سب دوستوں نے موٹر سائیکلوں کی ریس لگانی تھی، میں اور میرا دوست احمد جب اپنے دوستوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے اصرار کیا کہ آج تم دونوں الگ سے ریس لگاؤ، دیکھتے ہیں کہ تم دونوں میں سے کون جیتے گا، ہم دونوں ہی موٹر سائیکل تیز رفتاری سے چلا رہے تھے کہ ایک دم احمد کی موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی اور وہ اچھل کر سڑک کے درمیان میں گرا تو پیچھے سے آنے والا تیز رفتار ٹرک اُسے کچلتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ احمد نے چند لمحوں میں سڑک پر دم توڑ دیا۔" تمام بچے چپ سادھے میری بات سن رہے تھے، میری آنکھیں پُرنم تھیں۔

"اس واقعے نے میرے ذہن پر بہت اثر ڈالا، ہم اخبارات میں اس طرح کی کئی خبریں پڑھتے ہیں، کتنے ہی نوجوان نیا سال مناتے مناتے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔" میری بات ختم ہوئی تو شہزاد نے کہا

"ہم نئے سال کا آغاز ان فضول کاموں کی بجائے اِس دُعا کے ساتھ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ یہ سال ساری دُنیا کے انسانوں کے لئے امن وسلامتی کا پیغام لے کر آئے۔"

سب بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "آمین۔"

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

مضبوط رسّی

راشد علی، کراچی

ہرنی کو جیسے ہی لات رسید ہوئی وہ قلا بازی کھاتی ہوئی دُور جا گری۔ شیر جان کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں غصہ بھی بہت تھا۔

کسی جانور کے لیے اُس نے ایک کھرلی میں چارہ ڈالا، لیکن اگر وہ کسی دُوسری کھرلی میں منہ مارتا تو وہ اسے ایک زور دار کک رسید کرتا۔

ایک نئی ہرنی مونی اس نے خریدی تھی۔ آج وہ اُس کی کک کھا کر سہم گئی تھی۔

"یہ بہت ظالم ہے۔"

مونی ہرن نے موتی گھوڑے سے کہا۔

"ہاں! ہم سب جانور اِس کی وجہ سے پریشان ہیں۔" موتی نے جواب دیا۔

ابھی دو دن پہلے کی بات ہے، بلوری ہرنی کبھی اِدھر پھدک رہی تھی اور کبھی اُدھر، اُس وقت شیر جان دودھ پی رہا تھا کہ پھدکتے ہوئے وہ اس سے ٹکرا گئی اور دودھ کا پیالہ گر گیا۔ اُس نے غصے میں لوہے کا پیالہ اتنا زور سے بلوری کو مارا کہ اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔

مونی ہرنی جو نئی نئی آئی تھی، اُس نے یہ سنا تو وہ مزید سہم گئی۔

اُس کا دل یہاں نہیں لگتا تھا۔ شیر جان جس کھرلی میں اُسے چارہ ڈالتا وہ خاموشی سے کھاتی رہتی۔ وہ یہاں سے نکلنے کی ترکیبیں سوچنے لگی کہ کیسے اس قید سے نجات حاصل کی جائے۔ شیر جان کے بلند اور مضبوط پنجرے اس کی راہ میں حائل تھے۔

سونو اور مونو گھوڑے آج بکنے جا رہے تھے۔ وہ دُعا کر رہے تھے کہ ہمیں کوئی ایسا مالک خریدے جو ہم پر ظلم نہ کرے۔

مونی ہرنی دروازے کے ساتھ لگی ہوئی تھی کہ شیر جان گھاس ڈالنے آیا، جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا وہ موقع پا کر بھاگنے لگی۔ شیر جان کی عقابی نظر اس پر پڑی، وہ تیزی سے اُس کے پیچھے بھاگا۔ مونی آگے آگے اور شیر جان پیچھے پیچھے تھا۔ اچانک شیر جان کا بیٹا سامنے آگیا اور اس نے پھرتی سے مونی کی ٹانگ پکڑ کر اُسے شیر جان کے حوالے کر دیا۔

بس پھر کیا تھا، شیر جان نے مونی کو غصے سے چیخ کر پنجرے میں دے مارا، اگر وہ گھاس پر نہ گرتی تو اُس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

"مونی! تم آئندہ ایسا نہ کرنا، ورنہ یہ تمہیں بہت مارے گا۔" بلوری ہرنی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں اس شخص کی قید میں نہیں رہنا چاہتی۔ یہ تو ظالم ہے مجھے یہاں جانوروں کی تکالیف دیکھ کر اس سے نفرت ہو چکی ہے۔ مجھے ہر حال میں آزاد ہونا ہے۔" مونی نے روتے ہوئے کہا۔

اگلے دن شیر جان کا بیٹا گھاس ڈالنے آیا تو جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا مونی موقع پا کر بھاگ نکلی۔ اُس نے اپنے والد کو آواز دی تو وہ گن اٹھا کر گھوڑے پر سوار ہو کر مونی کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ مونی کو وہ ۲۵ ہزار میں فروخت کر

چکا تھا اور دو دن بعد اس کا خریدار اُسے لینے کے لیے آنے والا تھا۔ شیر جان غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ مونی کو ہر حال میں پکڑنا چاہتا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ پکڑنے کے لیے اگر اسے ٹانگ پر گولی مار کر مونی کو زخمی بھی کرنا پڑے تو وہ ایسا کرے گا۔ دو گھنٹے مسلسل وہ جنگل میں مونی کی تلاش میں رہا۔ جنگل میں ایک درخت کی اوٹ سے اس نے مونی کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

مونی دُور ایک جھاڑی کی اوٹ میں سہم کر چھپی ہوئی تھی۔ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز مونی کے کان میں پڑی تو اُس نے کھائی کی طرف چھلانگ لگا دی، تاکہ شیر جان اس پر فائر نہ کر سکے۔ وہ اپنی حکمت عملی میں کام یاب رہی۔ وہ پلک جھپکتے ہی شیر جان کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ شیر جان تھک چکا تھا۔ اُسے پیاس محسوس ہوئی تو وہ چشمے کی طرف بڑھا۔

چشمے کا پانی بہت ٹھنڈا اور صاف شفاف تھا۔ پانی پی کر اُس کی نظریں چاروں طرف گھومنے لگیں۔ دائیں طرف پہاڑوں کا ایک سلسلہ تھا اور پہاڑوں کے دامن میں پُر خطر راستے پر اکا دُکا گاڑی آجا رہی تھی۔ اُس کے سامنے ایک دریا تھا۔ دریا کے بالکل سامنے دُور دُور تک پہاڑی سلسلے تھے۔ وہ مونی کی تلاش میں ناکام رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک جنگلی شخص نمودار ہوا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے پیچھے ایک ہرنی بھی آ رہی ہے، اُس کے گلے میں رسی بھی نہیں تھی، وہ بالکل آزاد تھی، مگر پھر بھی اُس شخص کی غلام بنی اُس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اُسے مونی یاد آنے لگی، جو اُس کی قید میں ایک ہفتہ بھی نہ گزار سکی تھی۔ اُس نے جنگلی شخص سے پوچھا۔

"یہ ہرنی بھاگتی کیوں نہیں ہے؟"

یہ سوال سن کر جنگلی شخص مسکرایا۔

"میں نے اسے مضبوط رسی سے باندھ رکھا ہے۔"

"مضبوط رسی، مگر اس کے گلے میں تو کوئی رسی نہیں ہے۔" شیر جان نے کہا۔

"دوست! میں اُس رسی کی بات کر رہا ہوں، جسے محبت کہتے ہیں، اس مضبوط رسی سے آپ جانور کو بھی اپنا بنا سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ جنگلی شخص اپنی راہ ہو لیا۔

شیر جان بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ جنگلی شخص کا جواب اس کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔ ☆

1- قرآن مجید میں کس مسجد کے بارے میں بتایا گیا کہ اس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے؟

2- فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں کتنے بت تھے؟

3- نمازِ کسوف کس موقع پر ادا کی جاتی ہے؟

4- حضرت یونس علیہ السلام چالیس دن تک کس جانور کے پیٹ میں رہے تھے؟

5- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سیف اللہ" کا خطاب کس صحابی کو دیا تھا؟

6- ایک صحت مند آدمی ایک منٹ میں کتنی بار سانس لیتا ہے؟

7- وائٹ ڈیتھ کس بیماری کو کہا جاتا ہے؟

8- ضیائی تالیف پودے کے کن حصوں میں زیادہ ہوتی ہے؟

9- شبنم کس چیز کے ٹھنڈا ہونے سے بنتی ہے؟

10- دُنیا کا سب سے بڑا جزیرہ کون سا ہے؟

11- صحرائی جہاز کس جانور کو کہا جاتا ہے؟

12- ناول "خاک اور خون" کے مصنف کا نام بتایئے؟

13- کس پاکستان بلے باز نے اپنے 100ویں ٹیسٹ میچ میں سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا؟

14- آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا دُوسرا بڑا شہر کون سا ہے؟

15- صحت افزا مقام زیارت کس صوبے میں واقع ہے؟

16- ایڈمرل کس فوج کے سربراہ کو کہتے ہیں؟

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2009ء

1- رہنما، مٹی - 2- سلطان الخیر - 3- خانہ کعبہ - 4- دینبل - 5- 2500 کلو ریز - 6- ہائیڈروجن - 7- صحرائے اعظم - 8- 114 فٹ - 9- کولون - 10- چھ مصرعے - 11- غازی علم دین شہید - 12- لیاقت علی خان، بیگم رعنا لیاقت علی خان - 13- علامہ اقبال - 14- کمشنر کراچی سید ہاشم رضا - 15- مسلم کمرشل بینک - 16- مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اِس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ محمد کریم اختر، کراچی (200روپے کی کتب)

☆ سید منہاس محمود، راول پنڈی (175روپے کی کتب)

☆ عطاء الرحمٰن، چکوال (125روپے کی کتب)

مستقل سلسلوں میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:

☆☆ محمد خلیل چودھری دینہ۔ تاج محمد، بختاور بتول ڈیرہ غازی خان۔ وجیہ شبیر راول پنڈی۔ محمد سعید الحسن سکھیکی منڈی۔ علیشہ الراضیہ طارق فیصل آباد۔ حامد نسیم ایبٹ آباد۔ محمد شعیب اقبال فیصل آباد۔ محمد عتیق الرحمٰن اسلم آزاد کشمیر۔ وقاص شوکت فیصل آباد۔ جنید نعیم دیوان، احمد رضا سنڈی حویلی لکھا۔ ملک اظہر علی سکھیکی منڈی۔ بلال طاہر گوجرانوالہ۔ مسعود الرحمٰن خان پشاور۔ محمد طیب گوجرہ۔ محمد حسن گلزار لاہور۔ حافظ محمد یعقوب لیہ۔ محمد شہزاد جعفر راول پنڈی۔ عمر وہاب کراچی۔ عفت رانی ساہی وال۔ ابوالحسن لاہور۔ نعمت اللہ کوہاٹ۔ روبینہ ناز مغل آباد۔ اختر علی چشتیاں۔ خدیجہ رشید کراچی۔ فاروق احمد ملتان۔ احمد حسن لاہور۔ یوسف طفیل کوئٹہ۔ عمیر احمد سرگودھا۔ ثمرین قمر سکھر۔ منصور آفتاب اسلام آباد۔ محمد اعجاز احمد ملتان۔ فیصل محمود، عاقل محمود، شاکر محمود میاں چنوں۔ طاہرہ کلثوم رحیم یار خان۔ ولید اقبال، جاوید اقبال، جنید اقبال ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ حافظ شوکت علی مرید کے۔ شکیل سرفراز لاہور۔ نواز خان پشاور۔ معصومہ شیخوپورہ، ارم اختر جوہر آباد۔ آصف احمد بھکر۔ عبد اللہ سکھر۔ شائستہ حق کراچی۔ دانش خورشید نارووال۔ نور فرید، خدیجہ فرید، ولید فرید کراچی۔ ☆

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10جنوری 2010ء

دماغ لڑاؤ

نام: _____

مقام: _____

پتا: _____

_____

پیاری تتلی

خلیل جبار (حیدر آباد)

"ابے چل ہٹ، گندے سے مکوڑے، تیرا کیا کام ان گلاب کے پھولوں پر بیٹھنے کا۔" ایک تتلی نے مکوڑے کو گلاب کے پھول پر بیٹھا دیکھ کر کہا۔

"ان پھولوں پر ہم خوب صورت تتلیوں کا حق ہے، تم جیسے بدصورت مکوڑوں کا کیا تعلق ان پھولوں سے۔"

"پھول جہاں بھی ہوں اُس جگہ کو اپنی خوش بو سے مہکاتے ہیں اور یہ خوش بو سب کے لیے ہوتی ہے۔"

"زیادہ باتیں مت بناؤ اور یہاں سے چلتے نظر آؤ۔" تتلی کو مکوڑے کی کھری باتیں سن کر طیش آگیا۔

"یہ پھول ہم خوب صورت تتلیوں کے لیے بنے ہیں اور ان پر بیٹھنے کا حق ہمیں ہی حاصل ہے۔"

یہ تتلی اپنی ہم عصر تتلیوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی، ہر جگہ اپنی تعریف سن کر وہ پھولے نہ سماتی۔ بے جا تعریف نے اسے خود سر اور مغرور بنا دیا تھا۔ آج مکوڑے کو اُس نے گلاب کے پھول پر بیٹھا دیکھ کر اپنی توہین جانی کہ جن پھولوں پر وہ بیٹھتی ہے اُس پر بدصورت مکوڑا کیسے بیٹھ گیا۔

"اتنا تکبر مت کرو تتلی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب صورت بنایا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اس پر اِتراؤ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تمہیں اتنا خوب صورت بنایا ہے۔ اللہ کی پیدا کردہ دُوسری مخلوق کی عزت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے تکبر سے ناراض ہو کر تمہاری خوب صورتی چھین لے، سوچو ایسا ہو گیا تو تم کیا کرو گی؟"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، جب اللہ مجھے بدصورت بنانا چاہتا تو پھر مجھے خوب صورت کیوں پیدا کرتا۔" تتلی نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے توبہ کر لو، اللہ جب تک کسی کو سزا نہ دے اُس وقت تک توبہ کرنے کا دروازہ کھلا رہتا ہے، ممکن ہے تمہاری ان تکبرانہ باتوں سے ناراض ہو کر اللہ تمہاری خوب صورتی چھین لے یا تمہیں کوئی سزا دے دے۔" گلاب کے پھول نے ان کی گفت گو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"بھائی گلاب صحیح کہہ رہے ہیں، تم فوراً اللہ سے معافی مانگ لو، میں ان کی باتوں سے بالکل اتفاق کرتا ہوں۔" مکوڑے نے گلاب کی تائید کی۔

"چل ہٹ بدتمیز کہیں کے۔" یہ کہتے ہوئے تتلی نے اس زور سے اپنا پر مکوڑے پر مارا کہ وہ نیچے جا گرا۔

"اب بھی وقت ہے تتلی، تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ غرور کی سزا ضرور ملتی ہے۔" مکوڑے نے کہا۔

تتلی غصے میں بھری ہوئی وہاں سے اُڑ گئی۔ اس پارک میں بہت سے بچے کھیل میں مصروف تھے۔ وہ جب ان کے پاس سے گزری تو بچے اُسے دیکھ کر تعریف کرنے لگے۔

"واہ! کیا خوب صورت تتلی ہے۔"

"کاش یہ تتلی میرے پاس ہوتی۔" ایک چھوٹے بچے نے للچائی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"یہ اگر میرے پاس آجائے تو میں اس کے پر الگ کر کے اپنی ڈائری میں رکھ لوں۔" ایک بڑے لڑکے نے کہا۔

وہ اپنا غصہ بھول کر پارک میں اڑنے لگی۔ پھر وہ ایک خوب صورت پھول پر چند لمحے آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئی۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اُسے اپنی پشت پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے جیسے ہی اڑنے کی کوشش کی، اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کسی کی قید میں آچکی ہے۔ اس نے دیکھا کہ جو لڑکا اس کے پروں کو اپنی ڈائری میں محفوظ کرنے کا کہہ رہا تھا اُس نے پلاسٹک کی تھیلی میں سے اسے پکڑ لیا تھا۔ پھر وہ اس کے جسم سے بے دردی سے پر الگ کرنے لگا۔

"اے ظالم لڑکے! تُو یہ کیا کر رہا ہے، تجھے اللہ کا واسطہ ہے، مجھ پر یہ ظلم نہ کر، یہ پر میرے جسم سے الگ ہو گئے تو میں کیا کروں گی۔" وہ اس کی زبان کہاں سمجھنے والا تھا۔ پر الگ کر کے لڑکے نے اس کے بدصورت سے جسم کو ایک طرف اچھال دیا اور خوشی خوشی پروں کو لیے ایک طرف چل دیا۔

"اللہ تجھے غارت کرے اے لڑکے، تُو نے میرا حسن خراب کر دیا ہے، اب میں ان پروں کے بغیر ایک بد صورت کیڑا ہوں۔" تتلی رینگتی ہوئی آگے بڑھی۔

"ارے جاوید! دیکھ کیا بد صورت کیڑا ہے۔" ایک بچے کی اس پر نظر پڑی تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"تم ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی قدر میری تعریفیں کر رہے تھے، اب میری برائی کر رہے ہو۔" تتلی نے انہیں غصے سے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

"چل ہٹ بھئی یہاں سے اے بدصورت کیڑے۔" چار پانچ مکوڑے خوراک کا ایک ٹکڑا پکڑے اسی طرف چلے آرہے تھے۔

"منہ سنبھال کر بات کرو، تم جانتے نہیں میں تتلیوں میں

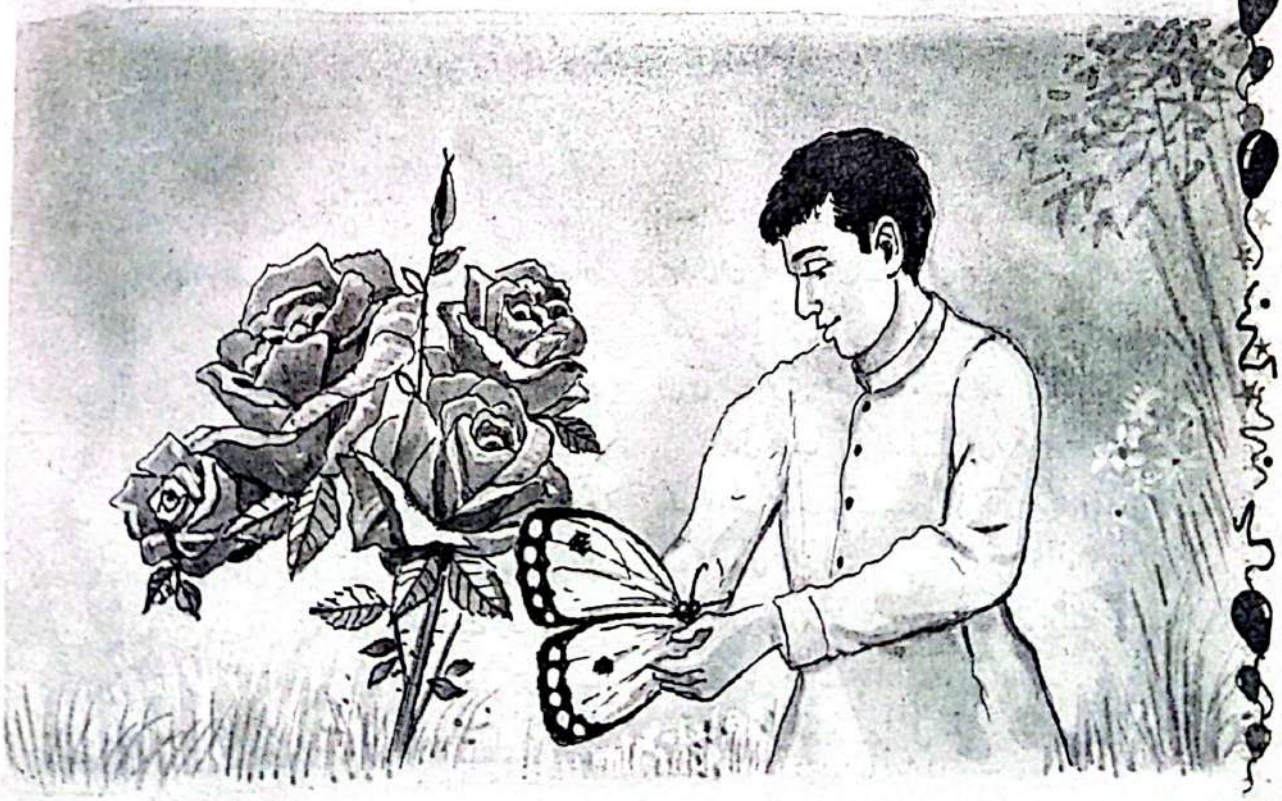

سب سے خوب صورت ہوں، ذرا تمیز سے بات کرو۔" تتلی نے کہا۔

"تتلی سے معمولی مشابہت ہونے سے بد صورت کیڑا تتلی نہیں بن جاتا، گر تم تتلی ہو تو ذرا اپنے خوب صورت پر دکھاؤ۔" ایک مکوڑے نے اُس کا مذاق اُڑایا۔

"ابھی چند لمحے پہلے ایک شرارتی بچے نے میرے پر نوچ لیے ہیں، جس کی وجہ سے میں اڑ نہیں سکتی۔"

"ہمیں اتنا بے وقوف مت سمجھو، ہمیں سب خبر ہے، ہم تمہیں ہر گز تتلی نہیں مان سکتے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تم ایک بد صورت کیڑے ہو، تمہارے لاکھ جھوٹ بولنے پر بھی تم کیڑے ہی رہو گے۔" دُوسرے مکوڑے نے کہا۔

مکوڑے کی بات سن کر تتلی کے دل کو ایک ٹھیس سی لگی کہ اُسے وہ مکوڑے کتنا حقیر سمجھ رہے تھے۔

"ہمیں جلدی ہے، راستہ چھوڑو، ہمیں اور خوراک بھی اٹھا کر لانی ہے۔" تیسرے مکوڑے نے غصے سے کہا۔

انہیں غصے میں دیکھ کر تتلی نے اُن کا راستہ چھوڑ دیا۔

"ہم سمجھتے تھے کہ دُنیا میں ہم ہی بد صورت کیڑے ہیں لیکن اب ہمیں اپنی رائے بدلنا پڑے گی۔"

تتلی کے پاس پڑی ایک گوشت کی سڑی ہوئی ہڈی میں سے ایک بد صورت سے کیڑے نے کہا۔

"وہ کیسے؟" اُس کے ساتھی کیڑے نے پوچھا۔

"باہر نکل کر دیکھو دُنیا میں کس قدر بد صورت کیڑے موجود ہیں۔" اُس نے تتلی کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے واقعی، یہ تو ہم سے بھی زیادہ بد صورت کیڑا ہے۔" دُوسرا کیڑا بولا۔

"ارے بھئی اس ہڈی میں گھسے تم سب کیا کر رہے ہو، باہر آؤ اور آکر دیکھو ہم سے بھی بد صورت کیڑے اِس دُنیا میں موجود ہیں۔" اُس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ سڑی ہوئی ہڈی میں موجود تمام کیڑے باہر نکل آئے اور تتلی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان سب کے سامنے تتلی کو تماشا بننا بڑا عجیب سا لگا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی ہو کر ایک طرف کھسکنے لگی۔

رات کے وقت تتلی کو پشیمانی ہو رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کر اپنی بد دماغی اور تکبر کرنے پر رونا آرہا تھا۔

"اے اللہ! میں بہت گناہ گار ہوں، میں نے تیری عطا کردہ خوب صورتی پر غرور کیا، یہ میری کم عقلی تھی۔ تُو بڑا کریم اور بخشنے والا ہے، بے شک تُو دونوں جہانوں کا مالک ہے۔ میں آج سچے دل سے توبہ کرتی ہوں کہ پھر کسی کی دل آزاری نہیں کروں گی، کیوں کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کی دل آزاری کرنا ہے اور مجھے اِسی وجہ سے اپنے پروں سے محروم ہونا پڑا ہے۔ اے اللہ تُو مجھ پر اپنا کرم کرتے ہوئے میرے گناہ بخش دے اور پھر سے پہلے جیسے خوب صورت پر عطا کر دے۔" تتلی نے گڑگڑاتے ہوئے اللہ سے التجا کی۔

"آمین۔" کہیں قریب سے یہ آواز آئی۔

تتلی نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ پیچھے وہی مکوڑا تھا جسے آج تتلی نے ذلیل کر کے پھول سے گرایا تھا۔

"تم نے میرے لیے آمین کہا۔" تتلی حیرت سے بولی۔

"ہاں میں نے آمین کہا ہے۔ جب تمہیں اپنے کیے پر پشیمانی ہو رہی ہے تو اس کا مطلب ہے تمہارا ضمیر ابھی زندہ ہے اور جو اللہ سے صدقِ دل سے دُعا مانگتے ہیں تو پھر اللہ بھی ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔" مکوڑے نے کہا۔

"کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے؟"

"میں نے تمہیں معاف کیا اور میں اللہ سے بھی دُعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں معاف کر کے پھر سے خوب صورت پر عطا کر دے۔" مکوڑے نے کہا۔

"آمین۔" تتلی بولی۔

رات کو تتلی وہیں سوئی رہی۔ صبح جب وہ بیدار ہوئی تو اُس نے اپنے اندر تبدیلی محسوس کی۔ اُس کے پر دوبارہ نکل آئے تھے۔ یہ پر پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت تھے۔ وہ اپنے پر دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اُس نے فوراً اللہ کا شکر ادا کیا اور یہ عہد بھی کیا کہ وہ اپنی خوب صورتی پر کبھی غرور نہیں کرے گی اور نہ کسی کی دل آزاری کرے گی۔

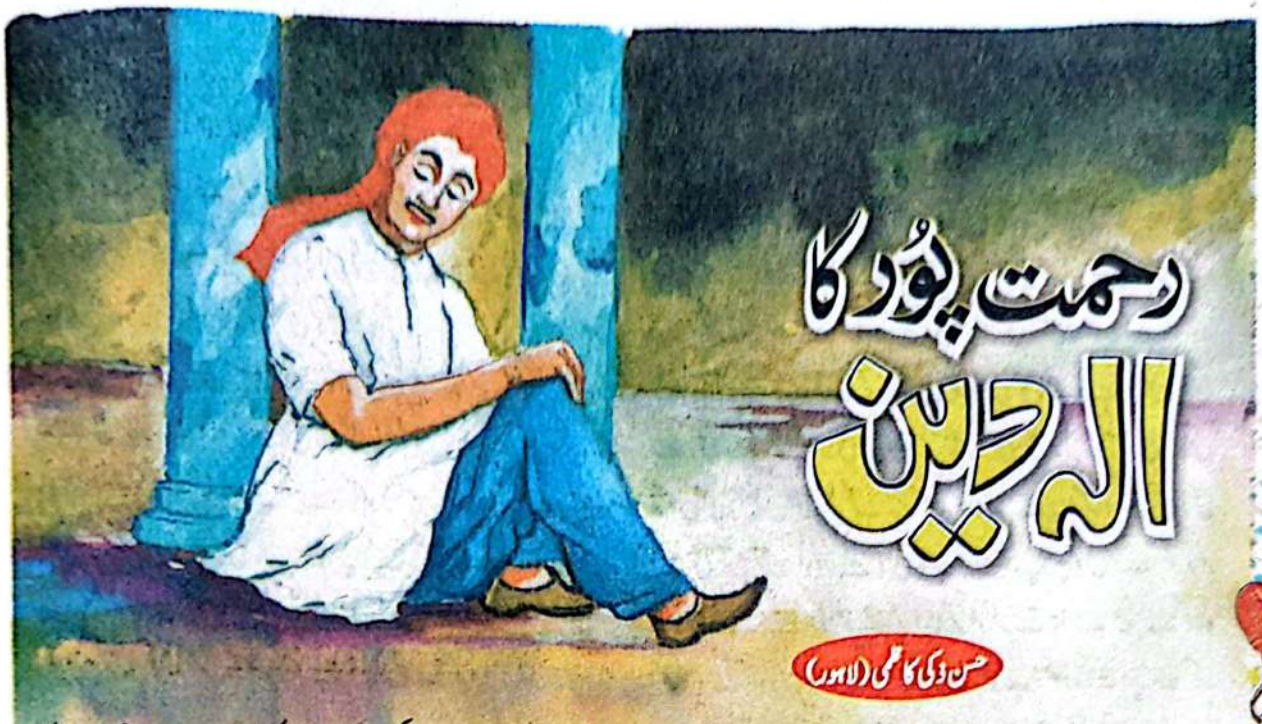

رحمت بُود کا الہ دین

حسن ذکی کاظمی (لاہور)

الہ دین کا کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا تھا۔ ٹھپ کیسے نہ ہوتا؟ جب دیکھو دنگا فساد، جب دیکھو ہڑتال، جب دیکھو دھماکہ..... ایک دو دن کی بات ہو تو کوئی فرق نہ پڑے۔ لیکن یہاں تو اب روز کی یہی کہانی ہے۔ آج کوئی دستی بم پھینک گیا، کل کسی نے ریموٹ کنٹرول سے بم پھاڑ دیا اور اگلے دن کوئی شخص خودکشی کا شوق پورا کرنے کے لئے گولہ بارود سے بھری گاڑی لے کر بازار میں گھس آیا۔ ان حالات میں کاروبار کیا خاک چلے گا۔ الہ دین کس کھیت کی مولی ہیں۔ بڑے بڑوں کے کاروبار ٹھپ ہو گئے۔

اندھیرا ہونے سے پہلے ہی الہ دین نے دُکان بند کر دی اور ذرا دل بہلانے کو اپنے دوست رشید کی طرف چلا گیا، جو بستی سے تھوڑی دُور بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ وہ اُسی کچی آبادی میں رہتا تھا جہاں الہ دین رہتا تھا۔ الہ دین نے سوچا دُکان پر رشید سے گپ شپ ہو گی، ایک پیالی دودھ پتی چلے گی اور پھر دونوں دوست باتیں کرتے گھر چلے جائیں گے۔ وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ رشید کو سخت زکام تھا، اس لیے وہ جلدی ہی گھر چلا گیا ہے۔

الہ دین واپس چلا تو اسے کچھ تھکن محسوس ہوئی۔ ستانے کے لئے وہ بہادر خان کی حویلی کے کھنڈر کے پاس رکا اور ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا، لیکن ابھی کافی روشنی تھی۔ تھوڑا آرام کر کے الہ دین اٹھا اور اس نے بغیر کسی وجہ کے کھنڈر میں اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اچانک اُس کی نظر گری ہوئی دیوار کے پاس پڑے ہوئے پیتل کے ایک گندے سے چراغ پر پڑی، جو آدھا زمین میں دبا ہوا تھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا

"تو میاں الہ دین! تمہاری قسمت جاگ گئی۔ تمہارا چراغ سامنے ہے۔ ہاتھ بڑھاؤ اور قسمت چمکاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اپنی سوچ پر خود ہی زور سے ہنسا اور بولا۔

"ہاہاہا..... ارے واہ میاں الہ دین..... اماں ابا نے نام الہ دین رکھ دیا تو تم سمجھے کہ چراغ بھی ہاتھ آجائے گا اور جن تمہارے قابو میں ہو گا..... ہاہاہا۔"

پھر اُس کے دل میں آئی کہ چلو اصلی والا الہ دین کا چراغ نہ سہی نقلی والا ہی سہی۔ کچھ تو قیمت ہو گی اس کی۔ اِسے صاف کر کے دُکان پر رکھ دوں گا۔ کوئی بھلا مانس لے ہی جائے گا۔

وہ دیوار کے پاس گیا اور چراغ کو زمین سے اُٹھا کر اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کندھے پر رکھا ہوا رومال اتار کر بولا۔

"لو میاں الہ دین، اللہ کا نام لے کر چراغ کو رومال سے رگڑو۔ جن نہ بھی نکلا تو چراغ کا میل تو صاف ہو ہی جائے گا۔ ہاہاہا۔"

الہ دین نے چراغ کو دو بار ہی رگڑا تھا کہ اُس میں سے دھواں نکلنا شروع ہوا اور چند سیکنڈ نہ گزرے تھے کہ ایک لمبا چوڑا ڈراؤنی شکل کا جن سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر

بڑے ادب سے کہا۔

"میرے آقا! غلام حاضر ہے، حکم فرمایئے۔"

اب ہر طرف اندھیرا ہو رہا تھا۔ اِکا دُکا راہ گیر یا کوئی تانگہ گاڑی سڑک سے گزر رہی تھی۔ الٰہ دین خوف زدہ ہو کر بھاگنے ہی والا تھا کہ جن سر جھکا کر بولا۔

"آقا! ڈریئے مت، میں آپ کا غلام ہوں، حکم فرمایئے۔"

الٰہ دین کی کچھ ہمت بندھی اور وہ بولا۔

"کیا تم واقعی چراغ کے جن ہو، اصلی جن؟"

جن زور سے ہنسا۔

"میرے آقا! بالکل اصلی، ایک نمبر، کسوٹی پر پرکھ کے دیکھئے، ترازو میں تول کر دیکھئے، فیتے سے ناپ کر دیکھئے، ذرا بھی کھوٹ ہو یا ناپ تول میں ذرہ برابر فرق ہو تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔"

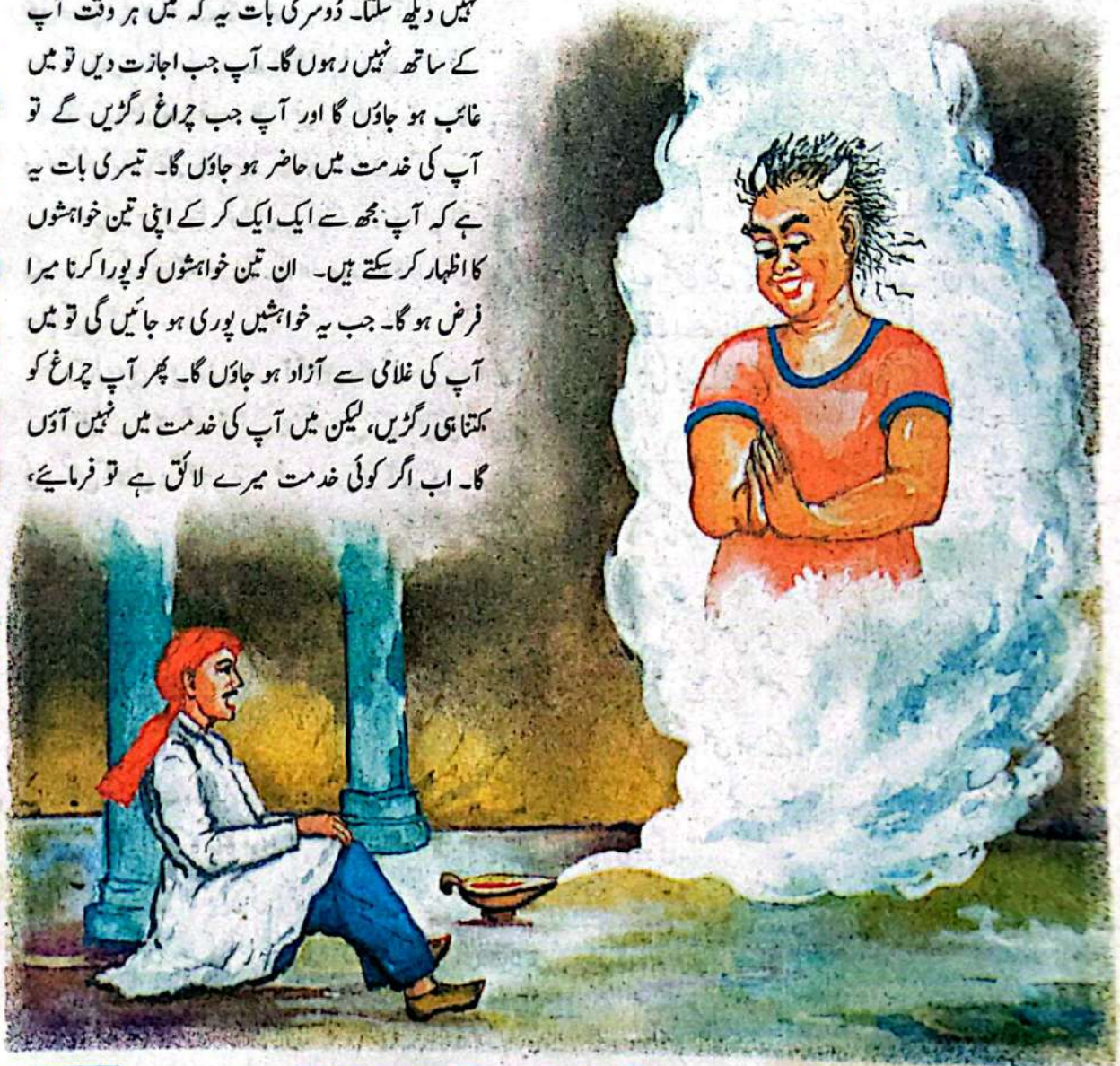

الٰہ دین بھی ہنسا اور کہنے لگا۔ "میاں ایک نمبر جن! اب کسوٹی کے چکر میں کون پڑے۔ چلو میں نے تمہاری بات مان لی۔"

جن بولا: "میرے آقا! آپ مجھے ایک نمبر جن کے بجائے غلام کہیے یا پھر اس غلام کا نام لیجئے، باکمال۔"

الٰہ دین نے کہا: "خوب ..... باکمال..... بھئی بڑا اچھا نام ہے۔ ہاں تو بھئی باکمال اب تم یہ بتاؤ کہ مجھے کرنا کیا ہے؟ اور تم میرے ساتھ گھر تو نہیں چلو گے؟ دراصل مجھے یہ خیال ہے کہ بیوی بچے تمہیں دیکھ کر ڈر نہ جائیں۔"

باکمال نے ہاتھ جوڑے اور بولا۔

"حضور پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے آپ کے سوا کوئی اور نہیں دیکھ سکتا۔ دُوسری بات یہ کہ میں ہر وقت آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ آپ جب اجازت دیں تو میں غائب ہو جاؤں گا اور آپ جب چراغ رگڑیں گے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ مجھ سے ایک ایک کر کے اپنی تین خواہشوں کا اظہار کر سکتے ہیں۔ ان تین خواہشوں کو پورا کرنا میرا فرض ہو گا۔ جب یہ خواہشیں پوری ہو جائیں گی تو میں آپ کی غلامی سے آزاد ہو جاؤں گا۔ پھر آپ چراغ کو کتنا ہی رگڑیں، لیکن میں آپ کی خدمت میں نہیں آؤں گا۔ اب اگر کوئی خدمت میرے لائق ہے تو فرمایئے،

ورنہ مجھے اجازت دیجئے۔ جب مجھے بلانا چاہیں چراغ کو رگڑ دیجئے گا۔"

الہ دین نے باکمال جن کو اجازت دی اور وہ دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ الہ دین خوشی خوشی گھر پہنچا۔ بیوی بچوں سے دو چار ہنسی خوشی کی باتیں کیں، کھانا کھایا اور چارپائی پر جا لیٹا۔ چراغ اُس نے چھپا کر اپنے سرہانے رکھ لیا۔ نیند آنکھوں سے دُور تھی۔ وہ سوچتا رہا کہ وہ جن سے اپنی کون سی تین خواہشیں پوری کروائے۔ وہ بڑی الجھن میں تھا۔ سوچتے سوچتے صبح ہو گئی۔ اُس نے پہلی خواہش کے بارے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بچے اسکول گئے اور بیوی سبزی ترکاری لینے بازار کے لئے نکلی تو الہ دین نے جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی اور چراغ کو رگڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد آواز آئی۔

"باکمال حاضر ہے میرے آقا! حکم فرمایئے۔"

جن سامنے کھڑا تھا اور الہ دین اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ بولا۔

"باکمال! میری پہلی خواہش یہ ہے کہ ہماری اس کچی آبادی کے سارے گھر اور جھونپڑے پکے اور صاف مکانوں میں تبدیل ہو جائیں۔"

باکمال اپنی بڑی خوف ناک آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولا۔

"میرے آقا! مجھے تو آپ جو حکم دیں گے اُس کی تعمیل ہو گی۔ لیکن گستاخی نہ سمجھیں تو عرض کروں کہ آپ کی یہ خواہش بس ضائع ہی ہو رہی ہے۔ میرے آقا! نہ محل، نہ قلعہ، نہ دولت، نہ خزانہ..... بس پکے گھروں کی ایک بستی..... ہاہاہا۔"

الہ دین نے کہا۔ "ہاں میری یہی خواہش ہے۔"

باکمال نے عرض کیا: "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی میرے آقا۔"

پھر وہ اجازت لے کر رخصت ہوا۔ دن گزرا رات آگئی۔ الہ دین پچھلی رات کا جاگا ہوا اور تھکن سے چور تھا۔ اس لیے جلدی سو گیا۔ صبح الہ دین کی آنکھ کھلی تو اسے نرم نرم بستر کا مزا آیا۔ کمرا بھی روز کی طرح ٹھنڈا نہیں تھا۔ ہلکی ہلکی مزے دار گرمی تھی۔ الہ دین نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کا جی چاہا کہ وہ دیر تک سوتا رہے۔ لیکن باہر اسے شور سنائی دیا۔ وہ اٹھا اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ آبادی والے ایک ایک کر کے میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ وہ سب حیران تھے کہ یہ شب بھر میں کیا ماجرا ہو گیا۔ ہر ایک کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اور ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔

"یہ کیسے ہو گیا؟"

الہ دین اپنے گھر سے باہر آیا تو ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ سب نے یہی سوال الہ دین سے کیا۔

"یہ ہو کیسے گیا؟"

الہ دین نے بس اتنا کہا۔

"ارے بھائیو! اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ بستی میں سے کسی کی نیکی سب کے کام آگئی ہے۔ جاؤ اور اپنے رب کا شکر ادا کرو۔"

وقت گزرتا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کچی آبادی والوں کی زندگی چین سے گزرنے لگی۔ الہ دین کو بھی زندگی کا ایسا مزا آیا کہ وہ باکمال کو بھول ہی گیا۔ چراغ کو اُس نے اپنے ٹین کے ایک بکس میں چھپا کر رکھا تھا۔ ایک دن وہ گھر میں اکیلا تھا۔ اچانک اسے باکمال کی یاد آئی۔ وہ اپنی دُوسری خواہش کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا۔ بس اُس نے چراغ نکالا اور اُسے رگڑا۔

چند لمحوں بعد جن اُس کے سامنے موجود تھا۔ "میرے آقا! غلام حاضر ہے، میرے لائق کوئی خدمت؟"

الہ دین نے کہا: "میری دُوسری خواہش سنو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری بستی میں ایک اسکول قائم ہو جائے، جس میں میری بستی کے بچے تعلیم بھی حاصل کر سکیں اور وہاں اُن کے کردار کی تعمیر بھی ہو سکے۔"

جن بولا: "میرے آقا آپ کی یہ خواہش بھی بہت جلد پوری ہو گی۔"

پھر بستی میں ایسا اسکول بنا کہ دُور دُور تک اس کی شہرت ہو گئی۔

کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ سب ہو کیسے گیا؟ کسی کو شبہ بھی نہ

☆جج (ملزم سے): "کیا تم نے چوری تنہا کی تھی؟"
ملزم نے جواب دیا: "جی ہاں جناب! اس زمانے میں بھروسے کا آدمی نہیں ملتا؟" (نازش توقیر، موگلا)

☆ایک آدمی کو کاروبار میں نقصان ہوا۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ "تم بچوں کو ان کی نانی کے گھر چھوڑ آؤ اور خود تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ۔ میرا اللہ وارث ہے میں اپنے سسرال چلا جاؤں گا۔"
(سید توشیق حیدر، جھنگ صدر)

☆استاد (اختر سے) "بھائی چارے کو جملے میں استعمال کرو۔"
اختر: "عمران نے جب دودھ والے سے پوچھا کہ بھیا دودھ اتنا مہنگا کیوں بیچتے ہو تو وہ بولا، بھائی چارہ جو مہنگا ہو گیا ہے۔"
(عبدالمعز خالد، کراچی)

☆جج (ملزم سے) "تم اپنی صفائی میں کچھ کہو گے؟"
ملزم: "پچھلے دو ماہ سے مجھے جیل میں نہانے کے لیے صابن نہیں ملا اور آپ صفائی کی بات کرتے ہیں۔" (سید منظر بلال حسین، سمندری)

باپ (بیٹے سے): "اگر تم پاس ہو گئے تو میں تمہیں ایک سائیکل لے کر دوں گا۔"
بیٹا: "اگر میں فیل ہو گیا تو؟"
باپ: "تو میں تمہیں سو سائیکلیں لے کر دوں گا۔"
بیٹا: "وہ کیوں؟"
باپ: "کیونکہ پھر میرا بیٹا سائیکلوں کی دکان کھولے گا۔"
(حاشر احمد، کراچی)

☆ماں (بیٹے سے): "بیٹا! بلب جلا دو۔"
بیٹا: "امی جی! اندھیرے میں سوئچ نہیں مل رہا۔"
ماں: "بیٹا! بلب جلا کر ڈھونڈ لو۔"
(حافظ محمد فرخ حیات، پیر محل)

☆تیسری بار شرارت کرنے کے بعد استاد نے یاسر کو حکم دیا کہ زمین پر لیٹ کر ٹانگیں اوپر کرو اور انہیں ہوا میں سائیکل کی طرح چلاؤ۔ تھوڑی دیر بعد یاسر نے سائیکل چلانا بند کر دی۔ استاد نے وجہ پوچھی تو جواب ملا۔
"جناب! سائیکل کی چین اُتر گئی ہے۔" (اسد رؤف، بورے والا)

☆ماں (بیٹے سے): "بیٹا دل لگا کر پڑھا کرو۔"
بیٹا: "امی! ابو تو عینک لگا کر پڑھتے ہیں۔"
(نوید حسین، لاہور)

☆استاد: (شاگرد سے) جب پانی اُبلتا ہے تو آواز کیوں آتی ہے؟"
شاگرد: اس میں جو جراثیم ہوتے ہیں ان کے مرنے کی آواز آتی ہے۔" (محمد اسد، میاں والی)

☆ایک انگریز کسی دیہاتی کا مہمان ہوا۔ دیہاتی نے مکئی کی روٹی پر ساگ رکھ کر پیش کیا۔ انگریز نے ساگ کھا کر مکئی کی روٹی واپس کرتے ہوئے کہا۔
"یہ پلیٹ واپس لے لیں۔" (ثناء رحمٰن، کراچی)

☆ایک آدمی رات کو مچھر دانی لگا کر سو رہا تھا۔ اچانک وہاں جگنو آ نکلا۔
آدمی: "لو بھئی! مچھر ٹارچ لگا کر ہمیں ڈھونڈ رہا ہے۔"
(محمد خرم خالد، کراچی)

باپ (بیٹے سے) "بیٹا تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟"
بیٹا: "پائلٹ بنوں گا۔"
باپ: "ہمیں پتہ کیسے چلے گا کہ تم کس جہاز میں بیٹھے ہو۔"
بیٹا: "جب میں گھر کے اوپر سے گزروں گا تو بم پھینک دوں گا۔"
(عبدالرحمٰن، لاہور)

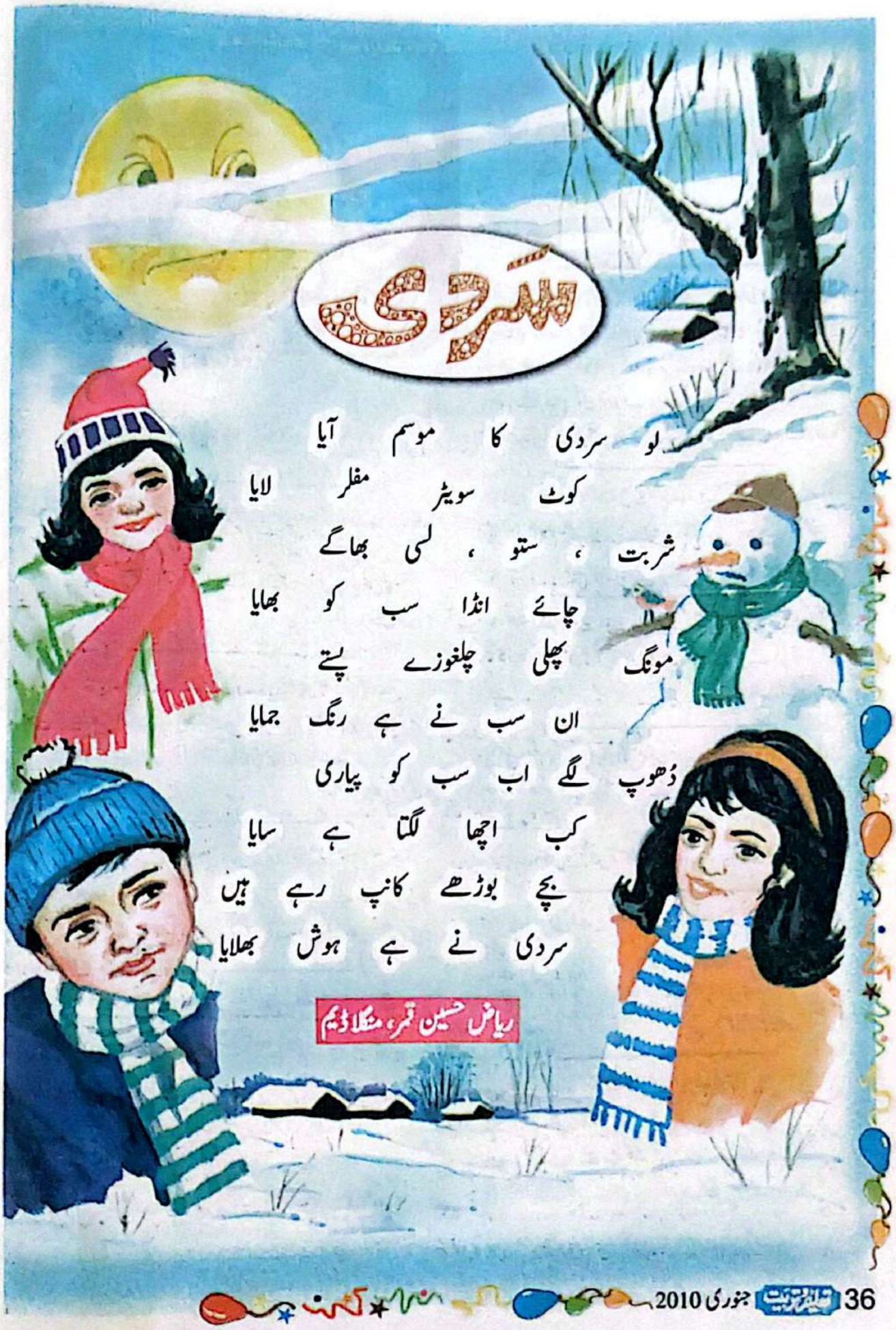

سردی

لو سردی کا موسم آیا
کوٹ سویٹر مفلر لایا
شربت ، ستو ، لسی بھاگے
چائے انڈا سب کو بھایا
مونگ پھلی چلغوزے پستے
ان سب نے ہے رنگ جمایا
دُھوپ لگے اب سب کو پیاری
کب اچھا لگتا ہے سایا
بچے بوڑھے کانپ رہے ہیں
سردی نے ہے ہوش بھلایا

ریاض حسین قمر، منگلا ڈیم

ٹیوشن آپی

محمد فاروق وانی (حیدر آباد)

"دیکھو بھئی! میری ایک بات غور سے سن لو۔

"مس شبانہ اپنی بڑی گول گول آنکھیں گھما کر ہم چاروں سے مخاطب تھیں۔

"ٹیوشن پڑھانے کے معاملے میں، میں بہت حساس ہوں۔ روزانہ پابندی سے آنا پڑے گا، تب کہیں میں تم لوگوں کو محنت سے پڑھا سکوں گی۔" انہوں نے سنجیدگی کو قائم رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں منظور ہے۔" ساجد کے منہ سے تیزی سے نکلا جب کہ منور، توفیق اور میں نے ذرا آہستگی سے ان کی بات کی تاکید کی تھی۔

"ہم چھٹیاں کرنے کے عادی نہیں ہیں۔" میں نے مس شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔" انہوں نے جیسے ہمیں اپنی ٹیوشن کلاس میں شامل کر کے احسان عظیم کر دیا تھا۔ "میری فیس 3سو روپے فی طالب علم ہے اور یہ میں ایڈوانس لیتی ہوں، بغیر کسی رعایت کے....."

"تت..... تین سو..... اور وہ بھی ایڈ..... وانس....."

توفیق مالی حالت میں ذرا کم زور تھا، اس لیے وہ کچھ گڑبڑا سا گیا۔

"مگر ہم پچھلی جگہ تو دو سو روپے میں پڑھتے تھے۔"

"دو سو روپے میں پڑھنا ہے تو بے شک اسی جگہ پڑھ لو، لیکن میں تو 3 سو روپے سے کم میں نہیں پڑھاؤں گی۔" مس شبانہ نے کاروباری انداز میں فوراً جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، ہم یہ فیس دے دیں گے۔" منور نے گویا ان کی بات سب کی طرف سے تسلیم کر لی۔

"مگر میں تو....." توفیق کچھ کہتا لیکن اب سب کی جانب سے فیصلہ ہو چکا تھا۔

"اب یہ ہے کہ کل 2 تاریخ ہے۔ تم چاروں اپنا بستہ اور فیس لے کر آجانا، میں پڑھائی شروع کرا دوں گی۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ "میری کوشش ہو گی کہ تم چاروں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤ۔"

اب کی بار ان کے انداز نے ثابت کیا کہ وہ صرف رقم سے ہی نہیں اپنے پیشے سے بھی محبت رکھتی ہیں۔

مس شبانہ ہماری پچھلی گلی میں رہنے والی خالہ شکیلہ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ خالہ کے 4 بیٹے تھے، جو ابھی چھوٹے تھے۔ خالو کا انتقال چار سال قبل ہو گیا تھا۔ مس شبانہ ان دنوں انٹر میں تھیں۔ ابو کے انتقال نے ان پر جیسے غم کا پہاڑ توڑ دیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی نڈھال سی تھیں۔ جب ان کے حواس بحال

ہوئے تو انہوں نے روزی روٹی کے بارے میں سوچا۔

خالہ پہلے کبھی کبھار لوگوں کے کپڑے سلائی کیا کرتی تھیں، اب انہیں باقاعدہ اسے روزگار کا ذریعہ بنانا پڑا۔

مس شبانہ نے پہلے تو سوچا کہ تعلیم چھوڑ دیں، لیکن خالہ نے ہمت دلائی کہ ایسا کرنے سے اس کے ارمان ادھورے رہ جائیں گے۔ پھر مس شبانہ نے انٹر اچھے نمبروں سے پاس کیا تو وہ بہت خوش تھیں۔ اب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے تیار تھیں۔ اس کا حل انہوں نے یہی سوچا تھا کہ دن میں کالج پڑھیں گی اور شام کے وقت چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھایا کریں گی، یوں وہ گھر کی مالی معاونت کے ساتھ ساتھ اپنے تعلیمی اخراجات بھی پورے کر سکیں گی۔ انہوں نے پہلی اور دُوسری کے بچے پڑھانا شروع کیے اور ان پر خوب محنت کی تو محلے میں ان کی واہ واہ ہو گئی، پھر عورتیں اپنے بچے مس شبانہ کے پاس بھیجنے لگیں، یوں ان کا کام خوب چل نکلا۔

"یار! تم نے جلد بازی دکھائی ورنہ ہم 50 روپے تو کم کرا ہی لیتے۔" ماجد نے راستے میں اپنی رائے پیش کی۔

"میرا خیال ہے کہ مس کسی طرح بھی نہ مانتیں۔" میں نے اپنا خیال پیش کیا۔

"میرے لیے تھوڑا سا مسئلہ ہو جائے گا۔" توفیق ایک بار پھر فکر مند تھا۔

"فکر نہ کرو۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا" منور نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں 3 ماہ ہی تو پڑھنا ہے۔ کون سا سارا سال ٹیوشن پڑھتے رہیں گے۔"

ہم چاروں آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ 3 ماہ بعد ہمارا امتحان تھا۔ ہم سب کچھ پڑھائی اور کچھ سیر و تفریح کے پروگرام پر عمل پیرا تھے، لیکن اب گھر والوں کا کیا کیا جائے کہ انہوں نے ہمیں آڑے ہاتھوں لیا اور بار بار امتحان کے قریب آنے کی خبر سنا کر ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑتے رہے اور ہمیں ٹیوشن پڑھنے پر آمادہ کرتے رہے۔ آخر کار ہم سب انسان تھے۔ ہمیں نیک بننے کا خیال آ ہی گیا۔

گھر والوں کا مشورہ تو یہ تھا کہ میں کسی ٹیوشن سینٹر میں داخلہ لوں، ساجد کا بھی ایسا ہی کچھ پروگرام تھا، لیکن منور نے خبر سنائی تھی کہ مس شبانہ پڑھانے میں بہت مہارت رکھتی ہیں۔ جب گھر والوں سے ہم نے مشورہ کیا تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا کہ ہم مس شبانہ سے پڑھ لیں۔

جب ہم نے ان سے پڑھنا شروع کیا تو ایسا لگا کہ واقعی کسی ماہر استاد سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ خصوصاً سائنس میں دل چسپی رکھتی تھیں۔ میں نے ان کے لیکچر سے نوٹس بنانا شروع کر دیے۔ مسئلہ صرف توفیق کا تھا۔ ایک تو وہ پڑھنے میں کم زور تھا، دُوسرا لکھنے، سننے اور سمجھنے میں پیچھے رہ جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شروع میں کچھ دن تو وہ ٹھیک چلا، پھر کچھ آگے پیچھے ہونے لگا۔ ہم نے دو ایک بار تو اس کا بھرم رکھا لیکن پھر جھوٹ نہ بول سکے۔

"تم پڑھو گے بھی یا نہیں؟" ایک دن مس نے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر اس سے پوچھا۔

"پڑھوں گا..... ضرور پڑھوں گا۔ ٹیوشن آپی....."

کچھ گھبراہٹ اور کچھ بوکھلاہٹ میں اس نے مس شبانہ کا نام ٹیوشن آپی اس انداز سے لیا کہ ہمیں ہنسی آ گئی۔ پھر توفیق کا دیا ہوا یہ نام ہمارا تکیہ کلام بن گیا اور اب ہم اپنی باتوں میں انہیں ٹیوشن آپی کے نام سے ہی پکارنے لگے۔

توفیق پر ٹیوشن آپی کی ڈانٹ کا اثر ہوا تو وہ پابندی سے آنے لگا اور ان کے ڈر سے کچھ زیادہ توجہ سے سبق سننے لگا۔ ہم بھی کوشش کرتے کہ وہ دوستوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ ٹیوشن آپی کی محنت اپنی جگہ پر تھی، ان سے شکایت نہیں ہو سکتی تھی۔ اب توفیق محنت نہیں کر رہا تھا، اس میں کسی کا کیا قصور۔

اگلے مہینے جب فیس کا موقع آیا تو توفیق نے کھڑے ہو کر کہا۔

"ٹیوشن آپی! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے؟" اس کا لہجہ کچھ اُداس سا تھا۔

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" مس شبانہ نے اپنائیت سے کہا۔

"میں اس مہینے ٹیوشن فیس نہیں دے سکوں گا۔" توفیق نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" مس شبانہ ایسی کسی بات کو سننے کے لیے تیار نہ تھیں۔

"دراصل ابو کی تن خواہ رُکی ہوئی ہے جیسے ہی وہ ملے گی۔"

"لیکن میرا اصول ہے....." وہ کسی گہری فکر میں ڈوب گئیں۔ پھر اچانک بولیں۔ "مگر تم میری فیس دے تو دو گے نا۔"

"ہاں ہاں..... کیوں نہیں، دراصل میں آپ کی ٹیوشن چھوڑنا نہیں چاہتا آپی۔"

اس نے کچھ اس بھولپن سے کہا کہ وہ ٹیوشن آپی جو رقم کے معاملے میں کم ہی لحاظ کرتی تھیں اِسے کچھ نہ کہہ سکیں۔ وہ مہینہ اس نے اطمینان سے نکال لیا۔ اگلے ماہ بھی ہم لوگوں نے تو فیس ادا کر دی لیکن وہ توفیق کی پریشان حالی دیکھ کر اس سے کچھ پوچھ نہ سکیں۔

ایک روز میں نے باتوں باتوں میں توفیق سے کہہ دیا۔

"تم نے اس بار بھی مس کی فیس ادا نہیں کی۔"

"ابو کو 3 ماہ سے تن خواہ نہیں مل رہی۔" اس نے اداسی سے کہا۔ "میں نے ٹیوشن آپی سے پچھلے ماہ کہہ دیا تھا کہ ابو کو جیسے ہی پیسے ملیں گے تو میں ان کی پائی پائی ادا کر دوں گا۔"

اس تفصیل کے بعد ہم میں یہ سکت نہ تھی کہ اس سے مزید کوئی سوال جواب کرتے۔ ہم لوگ پڑھائی میں مگن رہے۔ امتحان کے دنوں میں ہم نے خوب محنت کی۔ ہم توفیق کو الگ سے بھی پڑھانے سمجھانے کی کوشش کرتے۔

امتحان کے بعد نہ تو اسکول رہا اور نہ ٹیوشن رہی، اس لیے سب الگ الگ ہو گئے۔ ساجد کا گھر میرے گھر کے نزدیک تھا، اس لیے ہماری ملاقات تو ہو جاتی تھی لیکن توفیق اور منور سے ملاقات کی اُمید اب اسکول کھلنے پر ہی منحصر تھی۔ میں دن میں ابو کے ساتھ دُکان پر جانے لگ گیا۔ شام کو تھوڑی دیر کھیلتے، ٹی وی دیکھتے اور پھر سو جاتے۔

جب رزلٹ آیا تو ہم تینوں نے تو 60فی صد نمبر لے کر کام یابی حاصل کی تھی جب کہ توفیق 45 فی صد نمبر حاصل کر سکا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ چھٹی کے بعد اس سے ملاقات کریں گے لیکن وہ جلدی گھر چلا گیا۔ ہمیں چونکہ اس کے نمبر معلوم ہو چکے تھے اس لیے ہم نے پھر اس کی جانب زیادہ دھیان نہ دیا۔

ایک روز ہم تینوں کی ملاقات ہوئی تو ہم نے طے کیا کہ کیوں نہ ٹیوشن آپی کے پاس جا کر انھیں رزلٹ کارڈ دکھایا جائے تاکہ وہ بھی ہماری خوشی میں خوش ہو جائیں۔ منور سے کہا کہ وہ توفیق کو بھی ساتھ لیتا آئے۔ جب ہم مقررہ وقت پر اکٹھے ہوئے تو منور نے بتایا کہ توفیق کچھ اچھے موڈ میں نہیں ملا اور اُس کا کہنا ہے کہ وہ مس شبانہ سے بعد میں خود ہی مل لے گا۔

ٹیوشن آپی ہماری آمد سے بہت خوش ہوئیں۔ رزلٹ کارڈ دیکھ کر انہوں نے ہمیں شاباش دی تو ہم نے سر جھکا کر ان کی تعریف کی۔

"ان نمبروں میں آپ کا بہت اہم کردار ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں، یہ تو تم لوگوں کی سعادت مندی ہے، ورنہ امتحان تو تم لوگوں نے دیا ہے۔"

وہ خوش دلی سے بولیں۔ پھر دو چار باتیں اِدھر اُدھر کی ہوئیں۔ انہیں اچانک توفیق کا خیال آیا۔ تو انہوں نے پوچھا۔

"توفیق کیوں نہیں آیا؟"

"وہ آپ سے پھر آ کر ملے گا۔" منور نے انہیں بتایا۔

کچھ دیر بعد ہم لوگ واپس اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

ایک ہفتے بعد نیا سیشن شروع ہو گیا۔ ہم لوگ تھوڑا پڑھتے اور کچھ تفریح کرتے، ایسے میں ٹیوشن کہاں یاد رہتی ہے۔ جب پھر امتحان میں چار ماہ رہ گئے اور بورڈ کے فارم بھیجے جانے لگے تو ہمیں اچانک خیال آیا کہ اب ٹیوشن لے لینی چاہیے۔

اس بار ساتھیوں کا خیال تھا کہ گھریلو ٹیوشن نہیں پڑھیں گے بلکہ کوچنگ سینٹر کے کسی پیکج پر غور کیا جائے۔ ہمارے دوستوں میں دو تین اور دوستوں کا اضافہ بھی ہوا تھا، جب کہ توفیق ہم سے یوں الگ ہو گیا کہ اس نے آرٹس گروپ منتخب کر لیا جب کہ ہم سائنس گروپ کے طالب علم تھے۔

ساجد نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ ایک ماہ پھر ٹیوشن آپی سے پڑھ کر دیکھ لیا جائے۔ وہ کم فیس میں بہترین پڑھاتی ہیں۔

شام کے وقت ہم ٹیوشن آپی کے گھر گئے۔ باتوں باتوں

میں پتا چلا کہ عن قریب اُن کی شادی ہونے والی ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔ اُنہوں نے ایک بار پھر توفیق کو یاد کیا۔

"میری فیس کی تو خیر تھی، لیکن اگر وہ ایک بار آ کر مل لیتا تو مجھے تسلی ہو جاتی۔"

ان کی اس بات کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ہم مایوس وہاں سے لوٹ آئے۔ پھر ہم نے ایک ٹیوشن سینٹر جوائن کر لیا۔

مس شبانہ اب مسز شبانہ سلیم ہو چکی تھیں۔ انہیں ایک سرکاری اسکول میں ملازمت بھی مل گئی تھی۔

ایک دن وہ اپنے اسکول کی امتحانی کاپیاں چیک کرنے میں مصروف تھیں کہ سلیم صاحب نے ایک سادہ لفافہ لا کر ان کے حوالے کیا۔ اس پر جلی حروف میں ٹیوشن آپی تحریر تھا۔ انہوں نے جھٹ لفافہ کھولا۔ اندر سے سو سو کے چھے کرارے نوٹ نکلے۔ ساتھ ہی ایک خط بھی تھا۔

ٹیوشن آپی!

السلام علیکم!

مجھے افسوس ہے کہ میں ابو کی ملازمت چھوٹ جانے کی وجہ سے آپ کی فیس ادا نہ کر سکا تھا۔ اب میں نے ایک دُکان پر ملازمت کر لی ہے، میں اپنی پہلی تن خواہ ملتے ہی آپ کی ٹیوشن فیس بھیج رہا ہوں۔ میں اچھا طالب علم تو نہ بن سکا مگر یہ امانت لوٹا کر اچھا انسان بننے کی کوشش تو کر سکتا ہوں۔

آپ کا شاگرد

توفیق

یہ خط پڑھ کر مسز شبانہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ واقعی انھیں توفیق بارہا فیس کے باعث یاد آیا تھا، لیکن آج وہ توفیق ان کی نظروں میں بہت عظیم ہو گیا تھا۔

دوستی ایسا ناطہ۔۔۔!

☆ بے شک دوست پر ہر چیز قربان کر دو، مگر دوست کو کسی چیز پر قربان مت کرنا۔

☆ ایسے شخص کو دوست رکھو جو نیکی کر کے بھول جائے۔

☆ نیک لوگوں سے دوستی اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

☆ تحائف دینے اور دعوت کرنے سے دوستی مضبوط ہوتی ہے۔

(سمیع اللہ خرم، ڈیرہ غازی خان)

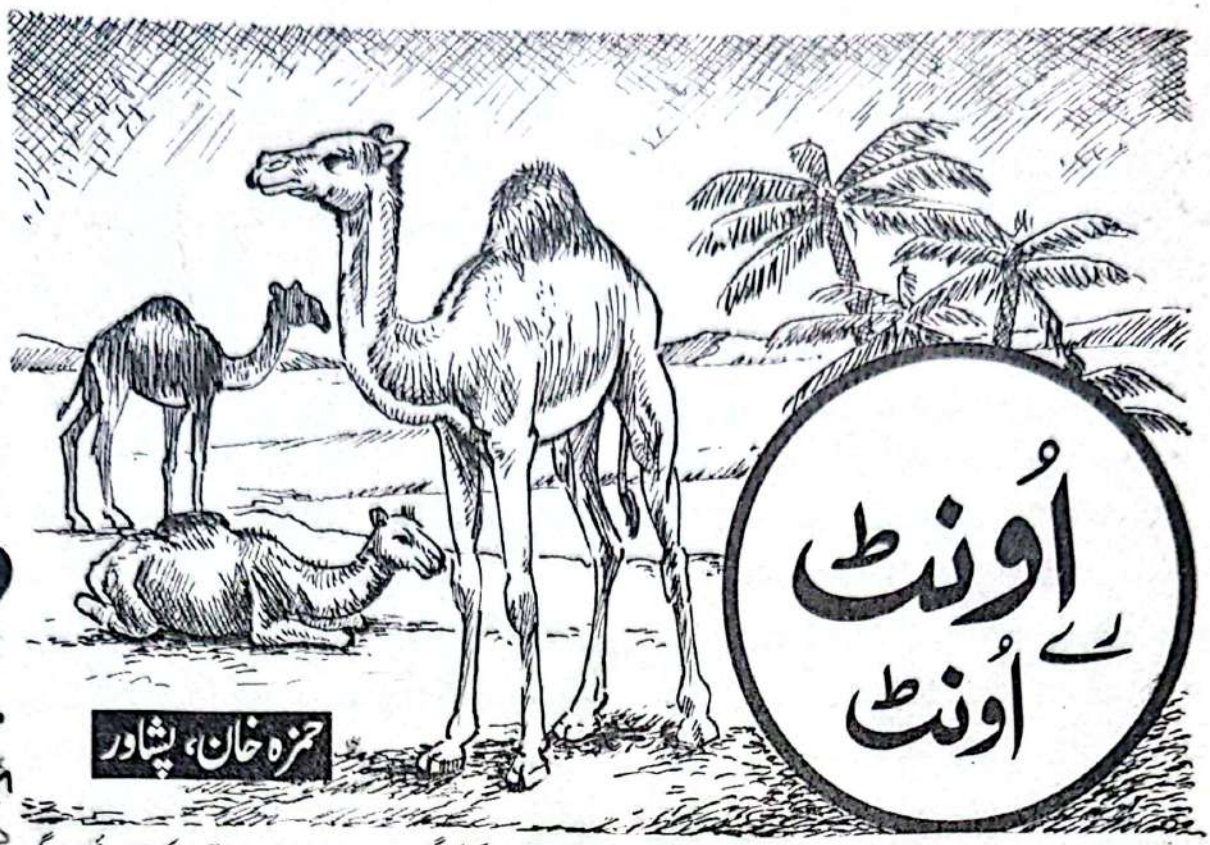

اُونٹ رے اُونٹ

حمزہ خان، پشاور

دوستو! یہ محاورہ تو آپ نے میرے بارے میں سن رکھا ہو گا۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی، یہ محاورہ مجھ پر کافی حد تک سچ بیٹھتا ہے۔ واقعی میرا جسم اللہ تعالیٰ نے اِس طرح بنایا ہے کہ میں پہلی نظر میں عجیب وغریب دکھائی دیتا ہوں، مگر اس میں میری مرضی ہر گز شامل نہیں، بس یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ آج میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔

ماہرینِ حیوانات نے ہماری 6 اقسام بیان کی ہیں اور ہمیں دو گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ 2 اقسام میں ایک کوہان والے اور دو کو بان والے اونٹ شامل ہیں۔ ایک کوہان والے اونٹ کو سب سے پہلے ترکمانستان کے لوگوں نے پالتو جانور کے طور پر پالنا شروع کیا۔ یہ بات تقریباً 6 ہزار سال پرانی ہے۔ موجودہ ترکمانستان کے لوگ اُس وقت خانہ بدوش ہوا کرتے تھے اور بھیڑ، بکریوں، گائے اور اونٹ کو پالنے کے لیے جگہ جگہ چارے کی تلاش میں جاتے رہتے تھے۔ ترکمانستان سے کچھ لوگوں نے مشرقی وسطی اور ایشیا کے دُوسرے ممالک کی طرف کوچ کیا اور مجھے بھی ساتھ لیتے گئے۔ یوں میری ایک کوہان والی نسل ترکی، ایران، شام، عراق، سعودی عرب، قطر، پاکستان، بھارت اور افریقہ تک پھیل گئی۔ یہاں میں نے اپنے آپ کو صحرائی زندگی کا عادی بنا لیا، اسی وجہ سے لوگوں نے مجھے "صحرا کا جہاز" کہنا شروع کر دیا۔

دوستو! لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں، میں جو ایک کوہان والا صحرائی اونٹ ہوتا ہوں۔ میں بغیر کچھ کھائے پیئے ایک ہفتہ تک زندہ رہ سکتا ہوں۔ میں ایک دن میں 40 کلو میٹر تک سفر کر سکتا ہوں۔ میرا قد 6 سے 8 فٹ تک ہو سکتا ہے اور میرا وزن 15 سے 17 من تک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں اونٹ گاڑی کے ذریعے سو من تک وزن کھینچنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہوں۔

دوستو! ایک کوہان والے اونٹوں میں بڑا صبر اور شرافت ہوتی ہے۔ میرے بارے میں مشہور ہے کہ میں بہت کینہ پرور ہوتا ہوں، یہ بات درست نہیں، اگر مجھے تنگ نہ کیا جائے تو میں کسی کو کچھ نہیں کہتا بلکہ میری تو پوری زندگی ہی لوگوں کے کام آنے میں گزر جاتی ہے۔ ہزاروں سالوں سے لوگ مجھے بار برداری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ لوگ میرا دودھ پیتے اور گوشت کھاتے ہیں۔ میری کھال سے بہت سی اشیاء بنتی اور میری اون سے لباس

تیار ہوتے ہیں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی انسان کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ میری اوسط عمر 25 سے 30 سال تک ہوتی ہے۔ میں 3 سال میں جوان ہو جاتا ہوں۔

پیدائش کے وقت میرا وزن چالیس کلو گرام تک ہوتا ہے۔ مادہ اونٹنی دن میں چار بار دودھ دیتی ہے اور ایک سال میں تقریباً 4000 لیٹر تک دودھ دیتی ہے۔ یہ گائے یا بھینس کے مقابلے میں دودھ کی ڈیڑھ گنا زیادہ مقدار ہے۔

دوستو! میں کھانے پینے کے معاملے میں بھی بہت سادہ ہوں۔ مجھے جو مل جائے صبر شکر کر کے کھا لیتا ہوں۔ میری خوراک میں مختلف اقسام کے صحرائی پودے اور درخت شامل ہیں۔ مجھے کیکر کے پتے اور ٹہنیاں بہت پسند ہیں۔ میں انہیں بہت شوق سے کھاتا ہوں۔ پانی پینے پر آجاؤں تو ایک وقت میں ساٹھ لیٹر تک پی جاتا ہوں۔

اب میں آپ کو اپنے گروپ کی دُوسری نسل سے ملواتا ہوں۔ یہ ہیں جناب دو کوہانوں والے اونٹ، میرے یہ قریبی رشتہ دار شروع ہی سے چین میں پائے جاتے ہیں۔ اُن کی کمر پر دو کوہان ہوتے ہیں، مگر یہ مجھ سے بڑی الگ تھلگ زندی بسر کرتے ہیں۔ میں ان کی نقل نہیں کر سکتا اور یہ میری نقل نہیں کر سکتے۔ دو کوہان والے یہ اونٹ شدید سردی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے۔ میرے مقابلے میں ان کے جسم پر پانچ گنا زیادہ اون ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ سردی سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ دو کوہانوں والے اونٹوں کی کچھ ذیلی اقسام چین کے علاوہ منگولیا اور تبت وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں منگولیا کے سخت میدانوں والی ذیلی نسل سب سے زیادہ ہے۔ اس نسل کے نر اونٹ کا وزن 16 تا 18 من تک ہوتا ہے اور مادہ کا وزن 12 من تک ہو سکتا ہے۔ یہ اونٹ سرد ترین موسم میں بغیر کچھ کھائے آٹھ سے دس دن تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ منفی دس ڈگری درجہ حرارت پر بھی بڑے مزے سے سفر جاری رکھتے ہیں۔ میرے یہ قریبی رشتہ دار سردی کے بادشاہ ہیں، مگر میں ایک کوہان والا اونٹ ایک گھنٹے کے لیے بھی اتنی سردی برداشت نہیں کر سکتا۔ دو کوہانوں والے اونٹ چین کے انتہائی دُور افتادہ علاقوں اور منگولیا کے سرد صحرائی علاقوں اور برفیلے میدانوں میں پائے جاتے ہیں۔ دو کوہانوں والے اونٹ برفیلے علاقوں میں چھ سے آٹھ من وزن اٹھا کر 35 سے 40 کلو میٹر تک کا سفر ایک دن میں طے کر لیتے ہیں۔ منگولیا کے رہنے والے تو دو کوہانوں والے اونٹوں کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ان اونٹوں سے دودھ حاصل کرتے ہیں۔ ان کی اون سے کپڑا بناتے ہیں۔ روس کے کچھ سرد علاقوں میں بھی دو کوہان والے اونٹ بڑے مزے سے رہ رہے ہیں۔ دو کوہان والے اونٹ کی کھال سے لوگ جوتے، کپڑا اور بہت سی پائیدار اشیاء بناتے ہیں۔ ☆

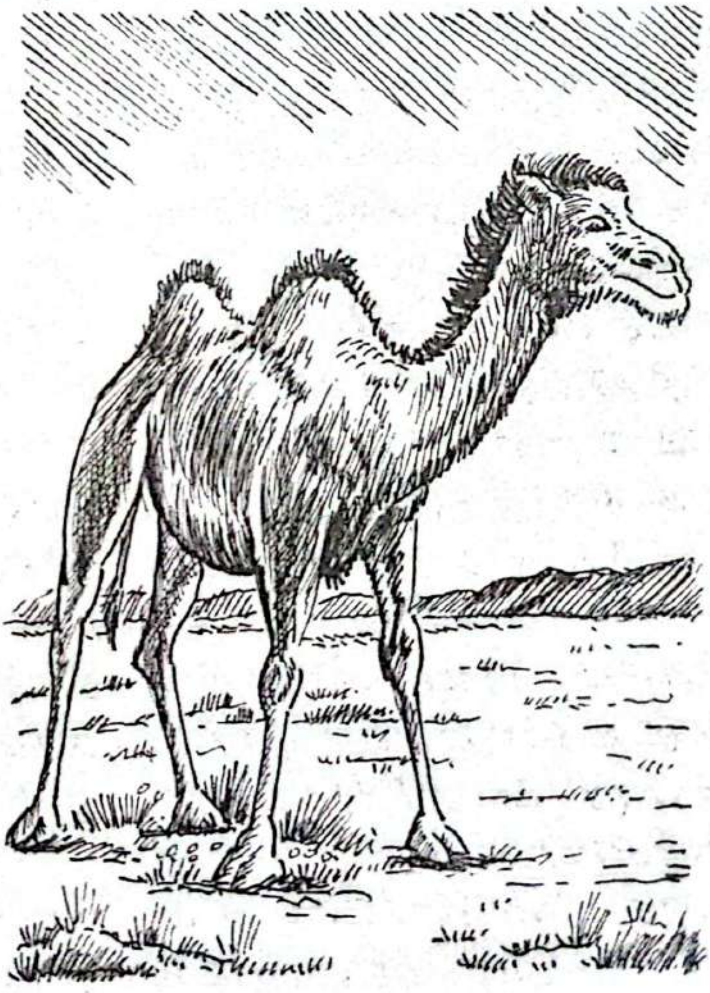

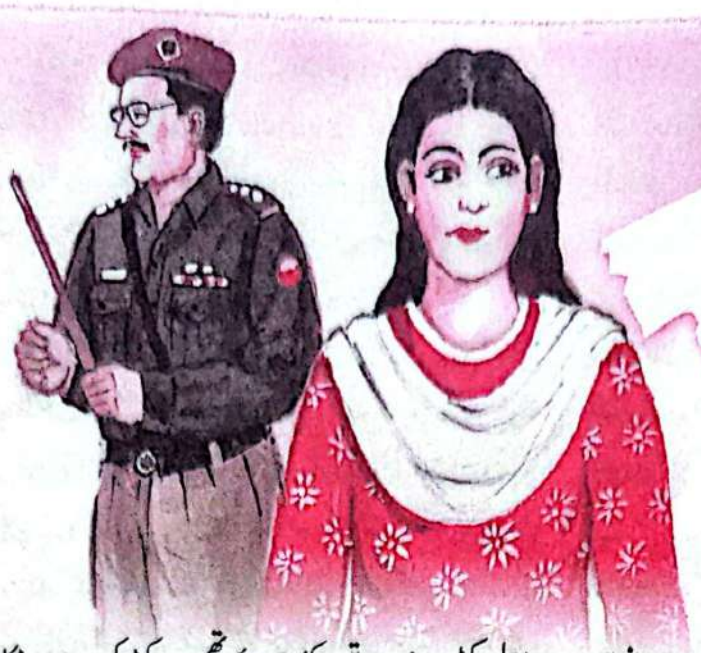

سراغ مل گیا

صائمہ کامران (لاہور)

رمشاء آج بے حد خوش تھی۔ آج اس کی ٹیچر حمیدہ بانو اس سے بطورِ خاص ملنے اُس کے گھر آئی تھیں۔ پانچ چھ سال پہلے اس کی ٹیچر کا تبادلہ حافظ آباد میں ہوگیا تھا۔ اپنی ٹیچر کے اس ٹرانسفر پر رمشاء کئی مہینے اداس رہی تھی، لیکن اس نے اپنی ٹیچر سے فون کے ذریعے رابطہ قائم رکھا تھا۔ اس لیے ٹیچر حمیدہ بانو جب رمشاء کے شہر آئیں تو اس کے گھر بطورِ خاص ملنے آئیں۔ رمشاء کا خیال تھا کہ وہ ان کے پاس کچھ دن رکیں گی، لیکن حمیدہ بانو نے اسے بتایا کہ اسکول میں امتحانات شروع ہونے والے ہیں، اس لیے وہ پھر کبھی اس کے یہاں قیام کرنے آئیں گی۔ رمشاء ان کے وعدے پر ہی خوش ہوگئی۔ وہ اُن کو چھوڑنے اپنے ڈرائیور اور ببلو کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پہنچی تو پتا چلا کہ گاڑی روانہ ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی ہے۔

حمیدہ بانو کے اصرار پر رمشاء تھوڑی دیر کے لیے ان کے کمپارٹمنٹ میں ہی بیٹھ گئی۔ رمشاء نے حسبِ عادت اس کمپارٹمنٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ کمپارٹمنٹ میں ٹیچر حمیدہ بانو کے علاوہ دو خواتین اور دو مرد بیٹھے تھے۔ مردوں میں ایک باریش بزرگ تھے اور دُوسرا ایک نوجوان تھا، جو واجبی شکل وصورت کا مالک تھا۔ دونوں اخبار پڑھنے میں ایسے مصروف تھے کہ انھیں اپنے اردگرد کی کوئی خبر نہ تھی۔

خواتین میں سے ایک خاتون نہایت کرخت نقش ونگار کی مالک تھی، لیکن دُوسری بیس بائیس سال کی لڑکی تھی، جو فیشن ایبل کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھی، وہ کھڑکی سے سر ٹکائے اونگھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ حمیدہ بانو کی تھی، جس پر وہ بیٹھ کر اپنا چھوٹا سا سفری بیگ سیٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، تاکہ وہ رمشاء کے لیے بیٹھنے کی جگہ بنا سکیں۔ ان کے ہلنے سے کرخت نقوش والی خاتون بہت جز بز ہو رہی تھی۔ آخر رمشاء نے یہی بہتر سمجھا کہ اس خاتون کو مزید تنگ کرنے سے بہتر ہے کہ حمیدہ بانو صاحبہ کو جلدی سے خدا حافظ کہہ کر گھر کی طرف روانہ ہوا جائے۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں سیٹ پر پہلے ہی اتنا سامان موجود ہے کہ میرے لیے وقتی طور پر بھی جگہ نکلنا ناممکن ہے، اس لیے آپ سے اجازت چاہتی ہوں، زندگی رہی تو پھر ملیں گے ان شاء اللہ۔" رمشاء کے منہ سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے، عمر رسیدہ خاتون نے سکھ کا سانس لیا۔ حمیدہ بانو بھی رمشاء کے اشارے کو سمجھ چکی تھیں اس لیے انہوں نے بھی پھر زیادہ اصرار نہیں کیا اور رمشاء کو رخصت کر دیا۔

دُوسری صبح جب رمشاء ناشتے کی میز پر اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی تو ایک خبر نے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ خبر کچھ یوں تھی کہ کل سجن پور کے اسٹیشن پر جب سبک خرام رُکی تو اس میں سے حمیدہ بانو نامی ایک خاتون کی لاش برآمد ہوئی ہے، لگتا ہے کہ اس کی موت کسی زہریلی چیز سے ہوئی ہے۔ پولیس مزید تفتیش کر رہی ہے۔

ابھی رمشاء اسی خبر کو پڑھ کر حواس باختہ بیٹھی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دُوسری طرف سے ایک سرسراتی ہوئی سرگوشی سُن کر رمشاء کے ہاتھ سے فون چھٹتے چھٹتے بچا، اس نے سُنا کہ فون میں سے آواز آرہی تھی۔

"میں حمیدہ بانو بول رہی ہوں۔"

"کک..... کک..... کیا آپ ٹیچر حمیدہ بانو بول رہی ہیں؟ میں نے تو اخبار میں کچھ اور ہی پڑھا تھا۔" رمشاء اپنے حواس پر قابو پاتے بولی۔

دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں، ہاں میں حمیدہ بانو ہی بول رہی ہوں۔ اخبار میں خبر میں نے بھی پڑھی ہے۔ اسی لیے کچھ سمجھ نہیں آیا تو تمہیں فون کر دیا۔ میں کچھ عجیب سی مشکل سے دوچار ہو گئی ہوں، اگر تمہیں فرصت ہو تو حافظ آباد چلی آؤ۔ میں فون پر تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتی۔" حمیدہ بانو کی آواز میں اس قدر پریشانی تھی کہ رمشاء نے فوراً اُن کی مدد کے لیے حافظ آباد پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ اُسی شام وہ امی ابو کی اجازت سے ڈرائیور اور ببلو کے ساتھ حافظ آباد اپنی گاڑی کے ذریعے روانہ ہو گئی۔

حمیدہ بانو زرد چہرہ لیے اپنے بیڈ روم میں بیٹھی تھیں اور رمشاء ان کے سامنے حیرت سے ان کی کہانی سننے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ حمیدہ بانو نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا سفری بیگ اس کے سامنے بستر پر کھول کے رکھ دیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"یہ بیگ میرا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" رمشاء چونکتے ہوئے بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ دیکھنے میں تو یہ بالکل میرے سفری بیگ جیسا ہے، لیکن یہ شاید اُس مرنے والی لڑکی کا ہے جو میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دراصل میں سفر کے دوران اونگھ رہی تھی کہ اچانک جب ٹرین حافظ آباد اسٹیشن پر رُکی تو حافظ آباد، حافظ آباد کا شور سُن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھی اور گھبراہٹ میں یہ بیگ اُٹھا کر ٹرین سے اُتر گئی۔ اب گھر آکر دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ میں غلطی سے کسی اور کا بیگ اُٹھا لائی ہوں اور جب سے یہ پتہ چلا کہ یہ اس مقتول لڑکی کا بیگ ہے تو ایک عجیب سے خوف میں مبتلا ہو گئی ہوں....." حمیدہ بانو بیگم ابھی تک کانپتی ہوئی آواز میں محوِ گفت گو تھیں۔

"اب آپ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں، وہیں جا کر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائے گا....." رمشاء اٹھتے ہوئے بولی۔

"اوئے..... خیر دین حوالدار..... یہ سامان کسی نو عمر لڑکی کا تو ہر گز نہیں لگتا، دیکھ تو سہی اس میں نہ سرخی پاؤڈر ہے نہ پرفیوم ہے اور نہ کوئی اَلا بَلا، بلکہ اِس میں تو بڑے قرینے سے جائے نماز، تسبیح، قرآن مجید کا نسخہ اور سوتی کپڑے رکھے ہیں، جو اس لڑکی کے اس لباس سے میل نہیں کھاتے جو اس نے قتل کے وقت پہن رکھے تھے، ہم سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔" انسپکٹر قطب الدین سر کھجاتے ہوئے اپنے نائب حوالدار سے مخاطب تھا۔ پولیس والوں کو جب اس لڑکی کی لاش ملی تو اس کے سامان میں سوائے ایک شناختی کارڈ کی کاپی کے کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا تھا جو اس لڑکی کے قتل پر روشنی ڈالتا اس تھانے میں انسپکٹر قطب الدین کی نئی نئی تقرری ہوئی تھی اور یہ قتل کا پہلا کیس تھا جو تھانے میں آیا تھا۔ وہ اس کیس کو لے کر بہت پُر جوش تھا اور جلد از جلد اس اندھے قتل کے کیس کو حل کر کے ایس پی صاحب کی نظروں میں اپنی قابلیت کو منوانا چاہ رہا تھا، لیکن کوئی سرا ہاتھ میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اخبار میں اشتہار بھی دیا گیا، لیکن ابھی تک اس مقتول لڑکی کا کوئی والی وارث تھانے نہیں پہنچا تھا۔ وہ ابھی دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے اسی فکر میں مبتلا تھا کہ اس کے کانوں سے ایک نسوانی آواز ٹکرائی۔

"انسپکٹر صاحب! کیا ہم اندر آسکتے ہیں۔" رمشاء نے بے حد ادب سے پوچھا۔

"اوہ!! آپ؟..... رمشاء صاحبہ..... آپ ہمارے تھانے میں کیسے آگئیں؟ میں انسپکٹر خورشید کا حوالدار رہ چکا ہوں اور

ترقی کرتے کرتے آخر انسپکٹر بن گیا ہوں، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آیئے آیئے! آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی....." انسپکٹر قطب الدین نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ایک ہی سانس میں اپنا تعارف کرا ڈالا۔ رمشاء اور حمیدہ بانو انسپکٹر کے سامنے رکھی دو کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ رمشاء نے رسمی تعارف کے بعد حمیدہ بانو کے مسئلے کے بارے میں بتانا شروع کیا..... انسپکٹر بہت دل چسپی سے رمشاء کی گفت گو سنتا رہا، جیسے ہی رمشاء نے اپنی بات مکمل کی وہ پُر جوش طریقے سے میز پر ہاتھ مرتے ہوئے بولا۔

"دیکھا! خیر دین میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ سامان اس لڑکی کا نہیں ہو سکتا۔"

رمشاء کو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ انسپکٹر حد سے زیادہ خود پسندی میں مبتلا ہے، لیکن مجبوری تھی کام ہی کچھ ایسا تھا کہ اس کے تعاون کے بغیر اس معاملے کو حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اب آپ کا کام ختم..... اب میرا کام شروع..... آپ کا سامان آپ کو مل جائے گا، لیکن کل تک..... مجھے یہ بتایئے محترمہ کہ آپ کو پورا یقین ہے کہ جب آپ ٹرین سے اتریں تو وہ لڑکی زندہ تھی؟"

انسپکٹر قطب الدین نے پوچھا۔

"جی ہاں! وہ بچی اس وقت زندہ تھی، کیوں کہ میں نے بیگ اُٹھانے کے بعد جب اپنی ہم سفر خاتون کو جلدی میں خداحافظ کہا تو اس نے جواب دینے کی بجائے غنودگی میں آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا۔" حمیدہ بانو نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے کمپارٹمنٹ میں کتنے لوگ تھے؟"

"وہاں دو مرد تھے، ایک باریش بزرگ اور دُوسرا ایک نوجوان تھا۔ میرے ساتھ پہلے ایک خاتون بیٹھی تھی۔ رمشاء جب ٹرین سے اتر گئی تھی تو ایک لڑکی اور آ کے میرے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ یہ لڑکی اُس خاتون کی بیٹی لگتی تھی۔ میں نے سفر

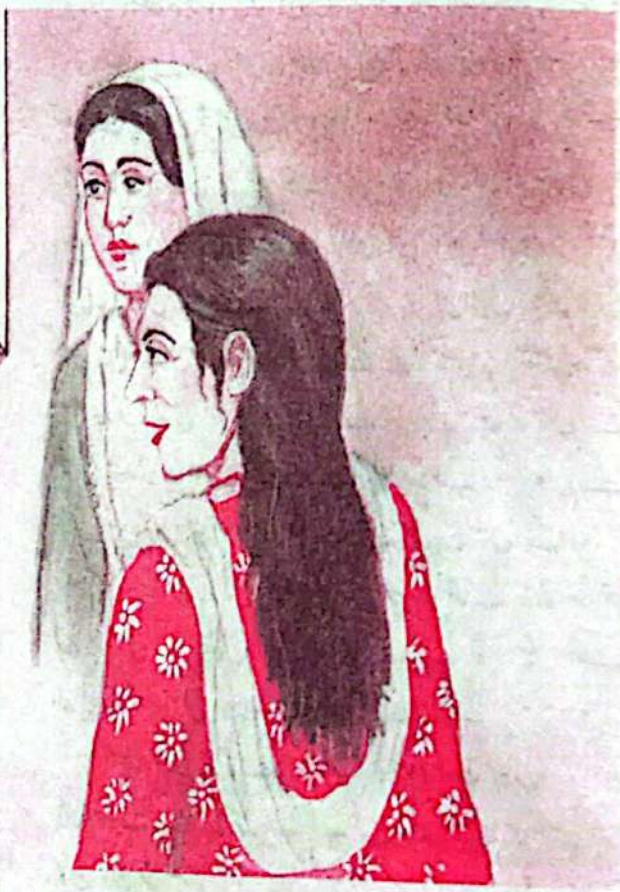

میں محسوس کیا تھا کہ وہ نو عمر لڑکی اس مقتول لڑکی کی طرف ذرا بھی توجہ کرتی تھی تو اُس کی ماں اُسے گھور کر ایسا کرنے سے منع کرتی تھی۔ میں نے یہی سوچا کہ واقعی آج کل حالات ایسے ہیں کہ کسی اجنبی سے علیک سلیک نہیں کرنی چاہیے۔ وہ عورت بھی خاصی خشک مزاج تھی۔ سفر کے دوران اس نے مجھ سے بھی کوئی خاص بات چیت نہیں کی۔ میں اسی وجہ سے اونگھنے لگی تھی اور سفر یوں ہی تمام ہو گیا تھا۔"

"انسپکٹر صاحب! دیکھیں اس لڑکی کے بیگ سے ایک تصویر برآمد ہوئی ہے..... ہو سکتا ہے اس سے ہمیں کوئی سراغ مل جائے۔" حوالدار خیر دین جو حمیدہ بانو بیگم کے لائے ہوئے بیگ کی احتیاط سے تلاشی لیتے ہوئے اچانک بولا تو سب کی توجہ اس کی طرف ہو گئی۔

انسپکٹر نے لپک کر وہ تصویر اُس کے ہاتھ سے لے لی اور کافی دیر تک اس تصویر کو دیکھتا رہا، پھر اُس نے وہ تصویر حمیدہ بانو بیگم کے سامنے کر دی۔ "کیا آپ اس تصویر کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں؟"

حمیدہ بانو اِس سوال پر ہڑبڑا کر بولیں۔

"بھلا میں اس غیر لڑکی کی ذاتی تصاویر کے بارے میں کیا جانوں؟"

"پھر بھی آپ ایک نظر دیکھ تو لیں۔" رمشاء بولی۔

"ارے..... ارے یہ تو اسی عورت کی بیٹی کے ساتھ اس مقتول لڑکی کی تصویر ہے، اس کا مطلب ہے اُس لڑکی کو وہ پہلے سے ہی جانتی تھی....."

حمیدہ بانو حیرت سے اچھلتے ہوئے بولیں۔

"واہ ایک اور سراغ مل گیا۔" قطب الدین جھومتے ہوئے بولا۔

"اب میں اِس لڑکی کی تصویر اخبار میں دوں گا اور اس کو جلد از جلد تھانے طلب کروں گا۔"

"بہت بہتر، میرا خیال ہے کہ اب ہم چلتے ہیں..... اس کے علاوہ انسپکٹر صاحب آپ کو ایک کام اور بھی کرنا ہے کہ کل کے اخبار میں حمیدہ بانو بیگم کی موت کی خبر کی تردید چھپوانی ہے، تاکہ ان کے عزیز واقارب مزید پریشانی سے بچ جائیں۔" رمشاء نے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر مت کریں..... میں ایسا ضرور کروں گا۔" انسپکٹر قطب الدین فوراً بولا۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ قطب الدین اخبار میں اشتہار دے گا اور وہ عورت فوراً اپنی بیٹی کو لے کر تھانے میں حاضر ہو جائے گی؟" رمشاء نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے حمیدہ بانو بیگم سے پوچھا۔

"ہونا تو ایسا ہی چاہیے..... اگر وہ اس لڑکی کو جانتی ہے تو پولیس کی مدد کرنا اس کا فرض ہونا چاہیے۔" حمیدہ بانو بیگم بولیں۔

"چلیں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" رمشاء گاڑی کی سیٹ سے پشت لگاتے ہوئے باہر کے مناظر دیکھنے لگی۔

---☆☆---

"انسپکٹر صاحب! یہ میرے چچا ہیں، کل رات ہی نوشاد پور سے یہاں مجھے ملنے آئے تھے..... رات کو باتوں باتوں میں میں نے اس نامعلوم لڑکی کے قتل کے بارے میں بات چیت شروع کی تو انہوں نے دل چسپی کا مظاہرہ کیا اور مجھ سے اس کیس کی تفصیلات پوچھیں تو میں نے ٹرین کا نام، کیبن نمبر اور سیٹ نمبر انہیں بتا دی، چوں کہ کل تھانے میں سارا دن اسی موضوع پر بات ہوتی رہی تھی تو میرے ذہن میں بھی معلومات تازہ تھیں۔ انہوں نے مجھے یہ بات سنا کر حیرت میں ڈال دیا کہ اس کیبن میں آخری مسافر مرد ہی رہ گئے تھے، لیکن یہ پولیس کے پاس جا کر ساری تفصیلات بتانے سے ڈر رہے تھے تو میں نے انہیں حوصلہ دیا اور بتایا کہ ہمارے انسپکٹر صاحب دُوسروں سے مختلف ہیں وہ بہت ہم دردی سے آپ کا بیان لیں گے....."

حوالدار خیر دین باریش آدمی کو اپنے ہم راہ تھانے لے کر آیا تھا، جو اس کے بقول اس کے چچا تھے۔ اب تو انسپکٹر قطب الدین کو کیس حل ہوتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے..... آپ خوفزدہ مت ہوں..... اور مجھے صرف یہ بتائیے کہ جب آپ ٹرین سے اترے تو کیبن میں کون کون تھا.....؟"

"ایک عورت اور اس کی لڑکی ایک اسٹیشن پہلے اتر گئے تھے۔ وہ عورت بہت جلدی میں تھی، اُس نے جلدی جلدی سامان اتارنے کی فکر میں کبھی مجھ پر سامان گرایا تو کبھی اس لڑکی پر، لیکن وہ لڑکی سوتی رہی، مجھے بہت غصہ آیا اور میں اسی غصے میں کیبن سے نکل گیا تھا۔ میرا کُل سامان ایک کپڑے کا تھیلا تھا، جو میرے کندھے پر تھا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ لوکل ٹرینیں ہر پانچ منٹ بعد دُوسرے اسٹیشن پر جارکتی ہیں، سو میں نے اس لڑکی کی تنہا موجودگی کا خیال کرتے ہوئے اپنا باقی ماندہ وقت ٹرین کے دروازے میں کھڑے ہو کر گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے جب وہ کرخت چہرے والی عورت غصے میں بڑبڑاتی ہوئی ٹرین سے اُتری تو میں نے کیبن کا دروازہ بند کیا اور وہیں کھڑا ہو گیا، جب میرا اسٹیشن آیا تو میں اُتر گیا۔ اس دوران اس لڑکی کو کیا ہوا میں کچھ نہیں جانتا....." وہ باریش آدمی اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

"معاملہ تو پھر بگڑ گیا۔ اب کون بتائے گا کہ اس لڑکی کو کیا ہوا؟"

"میں بتاؤں گی!" رمشاء کی آواز نے جیسے سارے تھانے کو ہلا کر رکھ دیا۔

"آ..... آپ یہاں....." مگر آپ کیسے بتائیں گی؟"

"انسپکٹر صاحب! میری بات بعد میں سنیے گا، پہلے اپنی ایک پولیس ٹیم کو اس پتے پر بھیج کر اس گھر میں موجود زبیدہ خاتون کو گرفتار کرنے کا بندوبست کریں۔ اس وقت حمیدہ بانو رسیوں سے بندھی زبیدہ خاتون کی نگرانی کر رہی ہیں، میں نے آپ سے فون پر رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی، مگر آپ سے بات نہ ہو سکی، میں اب مجبوراً یہاں آئی ہوں۔ لڑکی کو اُسی عورت نے مارا ہے۔" رمشاء نے فوراً ایک پتہ انسپکٹر کے سامنے رکھ دیا۔ انسپکٹر قطب الدین رمشاء کی شہرت سے واقف تھا۔ اس نے پتے کو دیکھا اور فوراً اشارے سے حوالدار خیر دین کو ضروری ہدایات دے کر اُس پتے پر روانہ کر دیا۔

"اب سنیے اصل کہانی۔" رمشاء نے اطمینانی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم جب کل اپنی گاڑی میں حافظ آباد کی طرف رواں دواں تھے تو حمیدہ بانو بیگم نے اچانک گاڑی روکنے کو کہا، کیوں کہ ایک عورت بڑی بدحواسی میں سڑک پار کر کے ہماری کار سے ٹکرانے ہی والی تھی۔ خیر ڈرائیور کی چابکدستی سے اس عورت سے ٹکر ہوتے ہوتے بچ گئی، لیکن حمیدہ بانو نے یک دم مجھ پر انکشاف کیا کہ یہ وہی عورت ہے جو کمپارٹمنٹ میں ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا وہ عورت سڑک عبور کرتے ہی ایک ویگن میں سوار ہو گئی، وہ ویگن شہداد پور کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ اس مسافر ویگن کا پیچھا کرے تاکہ وہ عورت ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے۔ یہ ویگن تقریباً آدھے گھنٹے بعد شہداد پور میں داخل ہوئی، وہاں پہلے اسٹاپ پر یہ عورت اتر گئی اور پیدل چل پڑی۔ میں بھی اپنی گاڑی میں آہستہ آہستہ اس کا پیچھا کرتی رہی۔ وہ عورت اتنی حواس باختہ نظر آرہی تھی کہ اُسے ہمارے پیچھا کرنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد وہ ایک گھر کے دروازے کے سامنے رُکی، اس نے پرس میں سے چابی نکال کر گیٹ کا تالا کھولا تو مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ گھر اسی عورت کا ہے۔ پھر میں نے آس پڑوس والوں سے اس گھر کے بارے میں اس طرح معلومات اکٹھی کیں جیسے وہ میری آنٹی ہوں اور میں اُن کا گھر ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہاں سے مجھے بہت مفید معلومات ملیں، جو سب میری ڈائری میں درج ہیں۔"

"ان سب معلومات کو اکٹھا کرنے کا آخر کیا مقصد تھا؟" انسپکٹر قطب الدین نے پوچھا۔

"دراصل اس عورت کا اس مقتول لڑکی کے بارے میں ناروا برتاؤ میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ اس کی اپنی بیٹی کا جھکاؤ اگرچہ اس لڑکی کی طرف تھا تو آخر اس نفرت کی کیا وجہ تھی؟ میں جانتی تھی کہ اگر اس عورت کا اس قتل سے ذرا بھی لینا دینا ہوا تو یہ اپنے آپ کو یا اپنی بیٹی کو روپوش کرنے کی کوشش کرے گی۔ اسی لیے جب آپ نے کہا کہ آپ کل کے اخبارات میں اشتہار دے کر اپنی تفتیش آگے بڑھائیں گے تو میرا دل مطمئن نہ ہو سکا۔ اس عورت کے لیے اپنا دفاع کرنے

کے لیے یہ چوبیس گھنٹے کافی تھے، مگر خدا نے اسے اچانک میرے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ قدرت بھی اس عورت کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ اب ہم آتے ہیں اس عورت کے گھر کی طرف..... میں نے جا کر اس عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو میں نے اپنے آپ کو اس کی بیٹی کی سہیلی کہہ کر متعارف کروایا۔ اُس نے مجھے اور حمیدہ بانو کو اندر بلا لیا، وہ شاید حمیدہ بانو کو صحیح طور پر پہچان نہ سکی تھی یا اس کے حواس بالکل ہی جواب دے گئے تھے۔ میں نے اندر آتے ہی اپنا خصوصی حکومتی اجازت نامہ اُسے دکھایا، جس میں مجھے کسی بھی کیس کے لیے خدمات دینے کی اجازت تھی، پہلے تو اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا پھر بولی۔

"لڑکی..... تجھے مجھ سے کیا کام ہے؟"

"کام تو مجھے آپ کی لڑکی سے ہے، جسے پولیس کے سپاہی جگہ جگہ ڈھونڈ رہے ہیں، لیکن ٹھیک ہے پہلے آپ سے ہی بات کر لیتے ہیں۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ "میری لڑکی کو پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ اس کا سارے معاملے سے کیا لینا دینا۔" وہ ہڑ بڑا کو بولی۔

"کس معاملے سے زبیدہ خاتون؟ میں نے تو ابھی کوئی معاملہ بتایا ہی نہیں میں۔" اس عورت کی گھبراہٹ دیکھ کر مجھے سو فیصد یقین ہو گیا کہ قتل اُسی عورت نے کیا ہے۔"

"کیا مطلب..... مجھے بتاؤ نا پولیس میری معصوم بیٹی کو کیوں ڈھونڈ رہی ہے؟" وہ عورت روہانسی ہو کر بولی۔

"اُس نے ٹرین میں اپنی سہیلی کو قتل کر دیا ہے اور کیوں کیا ہے، وہ تو پولیس اُس سے پوچھ ہی لے گی۔ لیکن یہ اچھی طرح جان لو کہ پولیس نے گواہ اور ثبوت اکٹھے کر لیے ہیں، تم چوں کہ کچھ عرصہ پہلے نرس رہی ہو، اس لیے تمہارے گھر میں ایسی ادویات اور انجکشن کا ملنا کوئی مشکل نہیں جو جان لیوا ہوں۔ تمہاری بیٹی نے ان کا استعمال کر کے اپنی سہیلی کی جان لی ہے۔ پولیس کے پاس تمہاری اور اس مقتول لڑکی کی ایک دُوسرے کے ساتھ کھینچی گئیں تصاویر بھی ہیں۔" میں نے اپنا شکنجہ کسنا شروع کر دیا تھا۔ آخر وہ ہمت ہار بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہائے میری بچی بے قصور ہے۔ وہ تو پہلے ہی اپنی اس آوارہ سہیلی کی باتوں میں آ کر نشے کی عادی بن چکی ہے۔ میں نے کتنی ہی بار اُس کا علاج کروایا، لیکن نہ تو وہ اس لڑکی کی دوستی سے باز آئی اور نہ نشے کی عادت ترک کی۔ میری بیٹی کا مستقبل برباد ہو گیا۔ آخر میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی اور پھر میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر ایک زہر کے انجکشن سے میں اس خطرناک لڑکی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفایا کر دوں گی۔ میں وہ انجکشن ہر وقت اپنے پرس میں رکھتی، لیکن اپنے گھر میں اس کو مارنا خطرے سے خالی نہیں تھا، اس لیے میں نے اُسے کہیں باہر ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے وہ اُس زور ہماری ہم سفر بن گئی۔ میری سختی کی وجہ سے میری لڑکی نے اس سے تمام راستے کوئی بات نہ کی اور نہ میں نے اس سے شناسائی ظاہر کی۔ وہ نشے کی حالت میں سفر کر رہی تھی، مجھے موقعہ مل گیا، میں نے اترتے ہوئے اپنا کچھ سامان اس پر گرا دیا اور اس کو اٹھانے کے بہانے اس کے بازو میں سرنج گھونپ دی۔ زہر نے کام کر دکھایا۔ میں اپنے اسٹیشن پر اُتر کر اپنے بھائی کے گھر آ گئی اور اپنی لڑکی کو وہیں چھوڑ کر آج گھر سے ضروری سامان لینے کے لیے یہاں آئی تھی تاکہ ہم کسی نامعلوم جگہ پر منتقل ہو جائیں، لیکن قسمت کو یہی منظور تھا۔"

رمشاء نے ایک کیسٹ انسپکٹر کو دیتے ہوئے کہا۔

"اس میں زبیدہ خاتون کا بیان ریکارڈ ہے، اس کیسٹ کو محفوظ کر لیں۔"

انسپکٹر نے کیسٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رمشاء بی بی! ہر بار کی طرح آپ ہم سے پہلے کیس حل کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

یہ سن کر رمشاء نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

!!!☆!!!

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ سرورق پر قائد اعظم کی تصویر بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ قلمی دوستی کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔

(احمد سلمان نعیم، وزیر آباد)

☆ ساتھیو! قلمی دوستی کے سلسلے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

دسمبر کا شمارہ بہت مزے دار تھا۔ مجھے کہانیوں میں ہاتھیوں کی فتح، ٹوٹی عینک اور نئے جوتے بہت پسند آئیں۔

(محمد اکبر جاوید، ڈیرہ غازی خان)

دسمبر کا رسالہ مجھے 29 نومبر کو مل گیا تھا۔ رسالہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ میں نے ہونہار مصور میں اپنی تصویر بھیجی ہے، اچھی ہوئی تو ضرور شائع کیجئے گا۔ میری دُعا ہے کہ نیا سال ہم سب کے لئے بہت ساری خوشیاں لے کر آئے اور تعلیم و تربیت کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (ازکی ساجد فاروقی، قصور)

دسمبر کا شمارہ اپنی خوب صورتی اور رنگینیوں کے ساتھ بہت جلد مل گیا۔ رسالہ ہمیشہ کی طرح منفرد اور دل چسپ تھا۔ دماغ لڑاؤ کے سلسلہ میں بہت زیادہ سوالات ہوتے ہیں، براہ مہربانی سوالوں کو کم کیا جائے۔ (وردہ طاہر، ساہی وال)

اُمید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ خاص طور پر کہانی "کام کام اور بس کام" بہت پسند آئی۔ (محمد عبدالرحمٰن جامی، لاہور)

دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا، خاص طور پر کہانی "کام، کام اور بس کام" بہت اچھی تھی۔ نئے شمارے کا انتظار تمام گھر والوں کو رہتا ہے۔ آپ علم و ادب کی جو خدمت کر رہے ہیں اللہ سے دُعا ہے کہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (فصیح الحق خاں، کراچی)

دسمبر کا تعلیم و تربیت ملا۔ پرندوں کی دل کش تصویروں سے سجا، پیارے قائد کی مسکراہٹ سے مزین سرورق بہت اچھا لگا۔ نظم بچے اور رہبر ملت بہت پسند آئیں۔ کہانی نیا سویرا بہت دل کش اور دِل نشین تھی۔ کہانی نامکمل تو دل میں گھر کر گئی۔

(مقصود احمد منظر، لاہور)

سلسلہ "جنگل سے جنگل تک" بہترین جا رہا ہے۔ انکل! اب کوئی ایسا سلسلہ شروع کریں، جس میں پاکستان کے خوب صورت شہروں کی سیر کرائی جائے۔ (حافظ محمد ناصر، گروٹ)

☆ لیجئے، اس شمارے میں ہم نے آپ کو اسلام آباد کی سیر کروا دی ہے۔

میں تعلیم و تربیت بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ میں پہلی بار سلسلہ ہونہار مصور کے لئے تصویر بھیج رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کو میری بنائی ہوئی تصویر پسند آئے گی۔

(محمد اسلم سلیم، لاہور)

اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر دے تاکہ آپ اسی طرح علم کی روشنی پھیلاتے رہیں۔ دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ "نہیں ہے کوئی دُوسرا قائد اعظم جیسا" بہت زبردست اور سبق آموز تحریر تھی۔

(ارم خان، کوہاٹ)

تعلیم و تربیت اب کی بار بھی زبردست رہا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ ایک لطیفہ بھیج رہا ہوں، ضرور شائع کیجئے گا۔

(سعد افراہیم، کراچی)

دسمبر کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ ہر کہانی بہت زبردست تھی۔
(ہبہ اللہ ہانی، لاہور)

دسمبر کا شمارہ عید سے ایک دن پہلے یعنی 27 تاریخ کو خوب صورت سرورق کے ساتھ موصول ہوا۔ اس مرتبہ کہانیوں میں فرض، کانٹا اور دیانت بہت پسند آئیں۔ جس بچے کی کہانی اچھی ہو اُسے انعام بھی دیا کریں اور اُس کی کہانی شائع بھی کیا کریں۔
(محمد حسان علی شاہ، مظفر گڑھ)

☆ سلسلہ "آپ بھی لکھیے" میں بچوں کی کہانیاں بھی شائع کی جاتی ہیں اور انھیں انعامات بھی دیئے جاتے ہیں۔

"کانٹا" نمبرون کہانی جب کہ "رہبر ملت" بہترین نظم تھی۔ کھیل اور کھلاڑی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے پر مبارک باد قبول کریں۔
(سید منہاس محمود، راول پنڈی)

دسمبر کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ انکل! خاص نمبر کب شائع ہو گا؟ ہمیں خاص نمبر کا بے چینی سے انتظار ہے۔
(شہناز بانو، لاہور)

مجھے تو دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں قرض، نامکمل، دیانت، ٹوٹی عینک، نہیں ہے کوئی قائد اعظم جیسا اور نیا سویرا بہت پسند آئیں۔ (محمد ریحان صفدر، ڈیرا غازی خان)

دسمبر کا رسالہ ہاتھ میں آیا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ لیکن اپنا نام نہ پا کر بہت افسوس ہوا، لیکن پھر یہ کہہ کر دل کو تسلی دی کہ جو اللہ کو منظور، اب نہیں تو پھر کبھی سہی۔ (نازش توقیر، موگلہ)

میں آپ کے رسالے کا پرانا قاری ہوں۔ اس مرتبہ کا سرورق نہایت شان دار تھا۔ (حافظ اسد الرحمٰن انور، بہاول پور)

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، اپنی آپی کو تعلیم وتربیت پڑھتے دیکھا۔ میں نے اُردو پڑھنے کی مہارت اسی رسالے سے حاصل کی۔ دسمبر کے شمارے میں کہانیاں "کام، کام اور بس کام" اور "بھول" بے حد دل چسپ تھیں۔ (محمد ثوبان، فیصل آباد)

نئے سال کی آمد پر میں دُعا مانگتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور اس سال کو ہمارے لیے خوشیوں سے بھرا سال بنائے۔ آپ سے درخواست ہے کہ قارئین کو بتائیں کہ وہ نئے سال کا آغاز اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعائیں مانگ کر کریں۔
(نازیہ نذیر، مصطفیٰ آباد)

☆ آپ کے خط کے ذریعے قارئین تک یہ بات پہنچ چکی ہے۔

انکل! درس قرآن وحدیث ہر مرتبہ کی طرح بہت اچھا تھا۔
(محمد بشیر، میاں والی)

دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کام، کام اور بس، نہیں ہے کوئی دُوسرا قائد اعظم جیسا اور دیانت کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ آپ کو اور تمام قارئین کو میری طرف سے نیا سال مبارک ہو۔
(شہناز اقبال، کہروڑ پکا)

☆ آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو۔

ماشاء اللہ ہمارا محبوب رسالہ ہر لحاظ سے بہترین ہے۔ اس کی کس کس خوبی کی تعریف کی جائے۔ تمام سلسلے لاجواب ہیں۔ کیا ہم بلاعنوان کے لیے ایک ہی خط میں بہت سے عنوانات بھیج سکتے ہیں؟ (امتیاز احمد خان، بنوں)

☆ آپ ایسا کر سکتے ہیں۔

میں تعلیم وتربیت میں کہانیاں لکھنے والوں کا شکر گزار ہوں کہ جن کی وجہ سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ تعلیم وتربیت اپنی افادیت کے اعتبار سے مفید اور بے مثال رسالہ ہے۔
(محمد سعید الحسن، حافظ آباد)

تعلیم وتربیت سے میری دوستی چند ماہ پہلے ہوئی ہے۔ مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ (موسیٰ عمران، لاہور)

چیتا

محمد عارف عثمان (لاہور)

دوستو! آپ میرے بارے میں تو جان ہی چکے ہیں۔ میں ہوں پیٹر براؤن، افریقہ کا ایک مشہور شکاری، جو "دی جنگل" ٹی وی چینل کے لیے کام کرتا ہے۔ جوزف، ریٹا، مائیکل اور سوزانے پر مشتمل میری ایک ٹیم ہے۔ ہم لوگ افریقہ کے جنگلوں میں گھومتے ہیں۔ جنگلی درندوں سے لڑ کر اور خطروں سے کھیل کر اپنے ٹی وی چینل کے لیے سنسنی خیز فلمیں بناتے ہیں۔

اُس روز ہم چیتوں کے بارے میں فلم بنانے نکلے تھے۔ صبح آٹھ بجے ہم "دی جنگل" ٹی وی کے اسٹوڈیو سے روانہ ہوئے تھے۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ گاڑی کا ہیٹر چل رہا تھا۔ جنگل تک پہنچنے میں ہمیں تین گھنٹے لگے تھے۔ میں اس جنگل میں کئی بار شکار کے لیے آ چکا تھا۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی جوزف اور سوزانے حسبِ معمول اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ اُن کے کیمرے اُن کی آنکھوں سے چپکے ہوئے تھے۔ مائیکل بھی اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں تھا۔ وہ ہر ضروری بات نوٹ کر رہا تھا۔ ریٹا جنگل کے خوب صورت مناظر دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ ہم جس رستے پر چل رہے تھے، وہ قدرے ہموار تھا۔ اُس کے دونوں طرف چیڑ اور دیودار کے درخت تھے۔ ان درختوں کے پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کر آنے والی سورج کی کرنیں بڑا خوشگوار منظر پیش کر رہی تھیں۔ بڑی بڑی جنگلی گھاس اور جھاڑیوں نے ان درختوں کی درمیانی جگہ کو خاصا ہیبت ناک بنا رکھا تھا۔ جنگل میں سردی بہت زیادہ تھی۔ اس کا احساس مجھے یوں ہوا کہ جوں جوں ہم جنگل کے اندر جا رہے تھے، ہمارے گرم لباس اور گاڑی کا ہیٹر دونوں مل کر بھی جنگل کی سردی کو روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔

اس موقع پر ریٹا نے سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گرما گرم چائے سب کو پیش کی۔ چائے پینے کے لیے میں نے گاڑی روک دی تھی۔ ہم سب گاڑی سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے اور چائے پینے کے ساتھ ساتھ جنگل کا نظارہ کرنے لگے۔

"جنگل میں سردی بہت زیادہ ہے۔" ریٹا نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" مائیکل بولا۔

"لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے پاس سردی سے بچاؤ کے لیے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں موجود ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا۔

"ارے دیکھو....." سوزانے نے سب کو متوجہ کیا۔

"یہ تو جنگلی بھینسیں ہیں۔" جوزف نے کہا۔ اب اس کا کیمرہ بھی اُن جنگلی بھینسوں کی طرف گھوم چکا تھا۔

میں نے دیکھا جھاڑیوں کے اُس پار تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک میدان میں پندرہ بیس جنگلی بھینسیں گھاس چرنے میں مصروف تھیں۔

"سر! دیکھیں تو یہ بھینسیں کچھ خوف زدہ سی نظر آرہی ہیں۔" سوزانے بولی۔

"ہاں، یقیناً قریب ہی کوئی درندہ موجود ہے۔" میں نے بھینسوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ سب کی نظریں بھینسوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جلد ہی ہمیں بھینسوں سے کچھ فاصلے پر زرد زرد سی گھاس میں ایک چیتا چھپا ہوا نظر آیا۔ بھینسیں اُسی چیتے سے خوفزدہ تھیں۔ چیتا بڑی چالاکی کے ساتھ آہستہ آہستہ بھینسوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ رکتا، تھوڑی دیر کے لیے گھاس میں چھپتا، پھر سر اٹھا کر بھینسوں کو دیکھتا اور چند قدم اور آگے بڑھ جاتا۔ وہ ایک جوان چیتا تھا۔ اُس کا قد کاٹھ اور جسم دیکھنے میں بہت بھلا لگتا تھا۔ بھینسیں بھی اُس کی موجودگی کو محسوس کر کے ایک جگہ اکٹھی ہو چکی تھیں۔ یہ منظر دیکھنے اور ریکارڈ کرنے کے لیے ہم بھی بھینسوں کے کافی قریب پہنچ گئے تھے۔

چیتا بھی بھینسوں سے کچھ دُور تھا، لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا اور ہوا کو چیرتا ہوا چیتا ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بھینسوں کے سر پر پہنچ گیا۔ بھینسیں بار بار سینگ لہراتیں اور پیر زمین پر مارتی تھیں۔ اس طرح وہ چیتے کو خبردار کر رہی تھیں کہ اگر تم ہمارے قریب آئے تو پھر تمہاری خیر نہیں، مگر چیتا بھینسوں کے غصے سے بے نیاز اُن کی طرف بڑھتا رہا اور پھر اُس نے ایک بھینس پر چھلانگ لگا دی۔ بھینس نے بڑی پھرتی سے خود کو چیتے کے وار سے بچایا۔ چیتے کو اپنی کام یابی کا یقین تھا، مگر وہ اپنے پہلے حملے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اسے زمین پر پڑا دیکھ کر دو بھینسیں اپنے لمبے لمبے سینگ لہرا کر اُس کی طرف بڑھیں۔

چیتے نے بھینسوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی فوراً کھڑا ہو گیا اور بھینسوں کو بغور دیکھتے ہوئے ایک طرف دوڑ پڑا۔ ایک بھینس بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔ چیتے کے پیچھے دوڑتے دوڑتے وہ بھینس کافی دُور نکل گئی، یہی اُس کی غلطی تھی۔ چیتا ایک چکر کاٹ کر مڑا اور برق رفتاری سے اُس بھینس پر حملہ آور ہوا۔ جب تک دُوسری بھینسیں اپنی ساتھی بھینس کو بچانے کے لیے اُس کے پاس پہنچتیں اُس وقت تک چیتا اُس کی گردن مروڑ چکا تھا۔ بھینسیں اپنی ساتھی بھینس کو مردہ حالت میں دیکھ کر بپھر گئیں، لیکن اب چیتے کو کوئی پریشانی نہیں کیونکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا ہے۔ چیتا کچھ دیر کے لیے اِدھر اُدھر ہو جائے گا۔ جب بھینسیں اپنی ساتھی بھینس کی موت پر آنسو بہا کر چلی جائیں گی تو چیتا دُوسرے چیتوں کے ساتھ واپس آئے گا اور سب مزے سے یہ گوشت کھائیں گے۔

میں نے کئی بار یہ منظر دیکھا ہے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے، لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ جب بھینسیں چیتے کے پیچھے بھاگیں تو وہ کسی دُوسری طرف جانے کی بجائے سیدھا ہماری طرف دوڑ پڑا۔ ممکن ہے اُس نے ہمیں دیکھ لیا ہو۔ میں اپنی بندوق سمیت پوری طرح چوکس تھا۔ چیتے نے خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھا اور غصے سے دھاڑا۔ اُس کے ہونٹ سرخ تھے اور خون کے قطرے زمین پر گر رہے تھے۔ وہ رکنا چاہتا تھا، مگر غضب ناک بھینسوں کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر اُس نے ہم سے چند گز پہلے راستہ بدل لیا۔ چیتا مڑا تو اُس کے عین سامنے جوزف کھڑا یہ سارا منظر ریکارڈ کر رہا تھا۔

"جوزف! چیتا، بچو۔" ریٹا اور میں نے ایک ساتھ چیخ کر کہا۔

جوزف نے تیزی سے خود کو چیتے کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس میں کام یاب نہ ہو سکا۔ چیتا جوزف سے ٹکرایا اور اُسے دھڑام سے زمین پر گراتا ہوا دُور نکل گیا۔ دُوسری طرف بھینسوں کے لیے اتنی تیزی سے راستہ بدلنا ممکن نہ تھا۔ وہ ہمارے قریب سے گزر کر آگے چلی گئیں۔ ہم فوراً جوزف کی طرف لپکے۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ جوزف کے چہرے کے سامنے کیمرہ نہ ہوتا تو چیتے کے دانتوں اور پنجوں

سے اس کا چہرہ شدید زخمی ہو جاتا، گھاس پر گرنے کی وجہ سے بھی وہ زخمی ہونے سے محفوظ رہا تھا۔ البتہ چیتے کے پنجوں نے اُس کی جیکٹ پھاڑ دی تھی۔ وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ اُس کا کیمرہ بچ گیا تھا۔ پھر ہم گاڑی میں بیٹھ کر آگے روانہ ہو گئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی جوزف اور سوزانے کیمرے سنبھال کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ابھی ہم نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ جوزف نے ہمیں متوجہ کیا۔

"وہ دیکھو! وہ دیکھو چیتا۔"

ہم سب نے باہر دیکھا۔ ایک چیتا ہماری گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔ اُس کی نظریں گاڑی پر جمی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گاڑی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ ہم چیتے کو دیکھ ہی رہے کہ ٹھیک اُسی وقت گاڑی کی چھت پر کسی بھاری چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بڑی مشکل سے ہچکولے کھاتی گاڑی کو کنٹرول کیا، ورنہ وہ لازماً کسی درخت سے ٹکرا جاتی۔ اس کوشش میں گاڑی بند ہو گئی۔ ہم سب حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے والا چیتا ہم سے آگے نکل گیا تھا۔ وہ چند قدم دُور جا کر رکا، مڑ کر ہمیں دیکھا اور اُس کے قدم ہماری طرف اٹھنے لگے۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" مائیکل نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کوئی جانور ہو۔" ریٹا نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ بھی تو....." جوزف نے ابھی یہی کہا تھا کہ گاڑی کے شیشے پر لمبے لمبے ناخنوں والا ایک پنجہ نمودار ہوا۔

"ارے! یہ تو چیتے کا پنجہ ہے۔" میں نے پنجے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہیں یہ وہی چیتا نہ ہو جو ابھی جوزف سے ٹکرایا تھا۔" مائیکل نے اپنی رائے دی۔

"ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

اتنی دیر میں چیتا چھلانگ لگا کر گاڑی کی چھت سے نیچے اُتر آیا۔

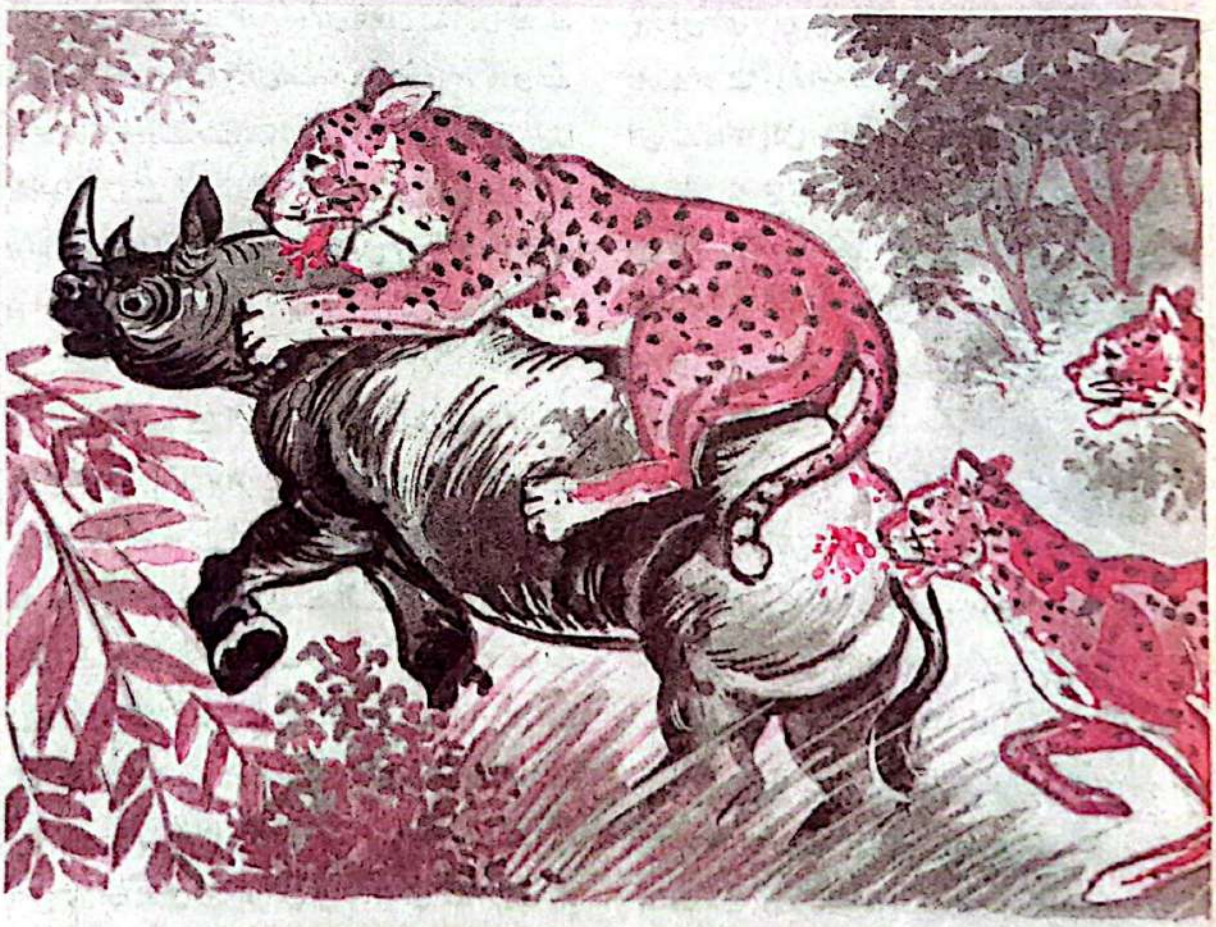

"ارے یہ تو واقعی وہی چیتا ہے۔" جوزف چیخا۔

"بالکل وہی ہے، دیکھو خون ابھی تک اس کے منہ کو لگا ہوا ہے۔" سوزانے جلدی سے بولی۔ اتنے میں دُوسرا چیتا بھی گاڑی کے قریب آگیا تھا۔

"یہ چیتے ہمیں آسانی سے نہیں جانے دیں گے۔" مائیکل بولا۔

"ہاں بھئی! لگتا تو ایسا ہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں چیتے گاڑی کے سامنے کھڑے غصہ بھری نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں، ہمت ہے تو اتر و گاڑی سے۔

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، مگر چیتے ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ گاڑی ایک چیتے سے ٹکرائی تو وہ بائیں طرف ہو کر گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ دُوسرا چیتا پہلے تو بڑی بے نیازی اور بے خوفی کے ساتھ گاڑی کے آگے آگے چلتا رہا، مگر جب گاڑی کی رفتار تیز ہوئی تو وہ گاڑی کے دائیں طرف دوڑنے لگا۔ اپنے طور پر دونوں چیتوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ دونوں چیتوں نے ہمت نہ ہاری اور گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہے۔ پھر ہمیں رکنا پڑا کیونکہ ایک گینڈا ہمارا راستہ روکے کھڑا تھا۔ پھر ہمیں جھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا لومڑیوں کا ایک جتھا دکھائی دیا۔ چیتوں کو دیکھ کر لومڑیوں کا وہ جتھا خوف کے مارے فوراً جھاڑیوں ہی میں کہیں غائب ہو گیا۔

اب گینڈا اور چیتے آمنے سامنے تھے۔ گینڈا بڑے غور سے چیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُدھر چیتے بھی شعلے برساتی آنکھوں سے گینڈے کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھے۔ ہم نہایت احتیاط کے ساتھ گاڑی سے اُترے اور یہ دلچسپ منظر دیکھنے لگے۔ سوزانے اور جوزف اس منظر کو ریکارڈ کرنے کے لیے درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک چیتے نے اپنے وجود کو تھوڑا سا سمیٹا اور فضا میں بلند ہوا۔ وہ گینڈے پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ گینڈا بھی اس حملے کے لیے بالکل تیار تھا، جونہی چیتا ہوا میں تیرتا ہوا اُس کے قریب پہنچا اُس نے ایک جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور چیتے کو اپنے سینگوں پر اٹھا کر دُور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ ہم سب گینڈے کی اس حیرت انگیز کارکردگی پر بہت خوش ہوئے، لیکن ابھی وہ پوری طرح سنبھل نہیں پایا تھا کہ ہمیں دُوسرے چیتے کی دھاڑ سنائی دی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے دُوسرے چیتے نے بھی اُس پر حملہ کر دیا۔ گینڈا اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ وہی چیتا تھا جس نے تھوڑی دیر پہلے بھینسوں پر حملہ کر کے ایک بھینس کو مار ڈالا تھا۔ اس چیتے نے چھلانگ لگائی اور صحیح معنوں میں سیدھا گینڈے کے سر پر سوار ہو گیا۔ چیتے نے اپنے مضبوط پنجوں سے گینڈے کو جکڑ لیا اور خنجر جیسے لمبے نوکیلے دانت اُس کی موٹی کھال میں اتار دیے۔ چیتے کے پنجوں اور دانتوں کی گرفت رفتہ رفتہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ خون کی کئی لکیریں گینڈے کے بدن پر دکھائی دینے لگی تھیں۔ گینڈے نے چیتے کو نیچے گرانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر وہ کام یاب نہ ہو سکا۔ چند لمحوں کے بعد گینڈا تکلیف سے بلبلا اُٹھا۔ اُسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ جھاڑیوں میں گھس گیا۔ چیتے نے اسے چھوڑ دیا، مگر جب چیتا ہمارے سامنے آیا تو گینڈے کے اُدھڑے ہوئے گوشت کا ٹکڑا اُس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اُس کے چاروں پنجے بھی خون آلود تھے۔ ہم تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چیتا ہماری گاڑی کے قریب آکر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد دُوسرا چیتا بھی ہمارے سامنے آگیا۔ اُس کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا۔ اُس کی رفتار قدرے سست تھی۔ گینڈے کے سینگوں کی وجہ سے وہ زخمی ہو چکا تھا۔

"اب تو یہ چیتے وحشی ہو چکے ہیں۔" ریٹا بولی۔

"بالکل۔" میں نے جواب دیا۔

"سر! چیتوں کا ٹھکانہ اب کتنی دور ہو گا؟" مائیکل نے پوچھا۔

"پانچ منٹ کے بعد ہم چیتوں کے پاس ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

دونوں چیتے ایک بار پھر پہلے کی طرح دائیں بائیں گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ یہاں تک کہ ہم چیتوں کے علاقے میں پہنچ گئے۔ چیتوں سے بھرا ہوا ایک میدان ہمارے

سامنے تھا۔ ان کی تعداد کم از کم چالیس اور پچاس کے درمیان ہو گی۔ ان میں ہر عمر کے چیتے تھے، کچھ چیتے سو رہے تھے، کچھ اونگھ رہے تھے، جب کے چھوٹی عمر کے کچھ چیتے کھیل کود میں مصروف تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی دیکھتے بعض چیتے ہماری طرف بڑھے۔ ذرا سی دیر میں بہت سے چیتوں نے چاروں طرف سے ہماری گاڑی کو گھیر لیا۔ سب چیتوں کی شعلہ بار نظریں ہم پر مرکوز تھیں۔ سورج اپنا سفر مکمل کر کے غروب ہو رہا تھا۔ دن کی روشنی شام کے دھندلکے میں بدل رہی تھی۔ ایک بار پھر شدید سردی کی لہر نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

ہمیں اب بھوک بھی تنگ کرنے لگی تھی۔ ریٹا نے کھانا نکال لیا تو ہم کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کبھی کبھار ہماری نظر چیتوں پر بھی پڑ جاتی تھی۔

"سر! اتنے سارے چیتے دیکھ کر مجھے کچھ خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔" کھانے کے بعد مائیکل ڈرتے ڈرتے بولا۔

"تھوڑا تھوڑا تو میں بھی ڈر رہی ہوں، اگر ان سب نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔" سوزانے نے کہا۔

"ارے تم لوگ گھبراؤ نہیں، حوصلہ رکھو۔ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" میں نے انہیں تسلی دی۔

کچھ دُور ہمیں آٹھ دس چیتے مزید آتے ہوئے دکھائی دیے۔ اُن کے منہ خون سے سرخ تھے۔ وہ بہت مطمئن دکھائی دیتے تھے۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ اسی بھینس کا گوشت کھا کر آرہے ہیں جو ان کے ایک ساتھی نے شکار کی تھی۔ جوزف اور سوزانے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو چکے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ رات ہو جانے کی وجہ سے اب چیتے آرام کرنا پسند کریں گے اور ہمیں بھی سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے گا، مگر ان چیتوں نے آتے ہی ہماری گاڑی پر ہلہ بول دیا۔ وہ دھاڑ رہے تھے اور شیشے پر پنجے مار رہے تھے۔ اگرچہ ہماری گاڑی مضبوط تھی مگر اتنے سارے چیتے مل کر گاڑی کے شیشے توڑ سکتے تھے۔ اس خدشے کے پیش نظر ہم نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔

گاڑی حرکت میں آئی تو بہت سے چیتے غصے سے بے قابو دکھائی دینے لگے۔ اُن کے ارادے یقیناً خطرناک تھے۔ وہ ہماری تکہ بوٹی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ گاڑی کے شیشے مکمل طور پر بند ہونے کے باوجود چیتوں کی غضبیلی آوازیں ہمیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ دو تین چیتے گاڑی کے نیچے آگئے۔ میں نے اُن کی پرواہ نہیں کی اور گاڑی اُن کے اوپر سے گزار دی۔ اب چیتوں کا غصے سے بپھرنا لازمی تھا۔ گاڑی جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی چیتوں کے حملوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جوزف اور سوزانے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس ساری صورتِ حال کی ریکارڈنگ کر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ کھیل اسی طرح جاری رہا تو چیتے ہمیں ہرگز نہیں جانے دیں گے، چنانچہ میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ پکڑا اور دُوسرے میں گن سنبھال لی۔ تھوڑا سا شیشہ نیچے سرکایا اور ایک چیتے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ چیتا اچھل کر دُور جا گرا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ میں جلدی جلدی نشانے لے کر گولیاں چلانے لگا۔ ذرا سی دیر میں میں نے مزید تین چیتے مار ڈالے۔ اپنے ساتھیوں کو یوں مرتے دیکھ کر چیتوں کا جوش سرد پڑ گیا اور وہ آہستہ آہستہ گاڑی سے پیچھے ہٹنے لگے۔

"واہ سر واہ! آج تو مزا آگیا۔" جوزف پُر جوش انداز میں بولا۔

"آپ کا نشانہ تو زبردست ہے سر!" یہ مائیکل تھا۔

اب چیتے ہم سے کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ میں نے مائیکل کو جواب دینے کے لیے منہ کھلا ہی تھا کہ میں اپنے سامنے اس چیتے کو دیکھ کر حیران رہ گیا، جس نے پہلے ایک بھینس کو ہلاک کیا تھا اور پھر گینڈے کو شکست دی تھی۔ وہ ہمارے راستے میں دیوار بن کر کھڑا تھا۔ اُس کا غصہ اُس کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔ اس کا منہ اور پنجے ابھی تک خون سے سرخ تھے۔

"بڑا ضدی چیتا ہے۔" سوزانے نے کہا۔

"ضدی کے بجائے بہادر چیتا کہنا زیادہ مناسب ہے۔" مائیکل بولا۔

میری نظریں چیتے پر تھیں۔ وہ ہماری گاڑی پر چھلانگ لگانے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ میری گن سے نکلی ہوئی گولی نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اب ہم جنگل سے باہر نکل چکے تھے اور ہمارا رُخ "دی جنگل" ٹی وی چینل کے اسٹوڈیو کی طرف تھا۔ ☆

بلا عنوان کے کچھ عنوانات بغیر انعامات کے

☆ کچھوے کی عیاری، خرگوش کی لاچاری۔
(فہد فاروق، ملتان)

☆ جدید دور کا کچھوا۔
(اسامہ فاروقی، اسلام آباد)

☆ دماغ لڑاو اور جیت جاؤ۔
(حافظ اسد الرحمٰن انور، لاہور)

☆ مجھے بھی لفٹ چاہیے۔۔۔
(فاطمہ احمد قریشی، لاہور)

☆ یا اللہ! اس گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو جائے۔
(تاج محمد، ڈیرہ غازی خان)

☆ جدید دور کی جدید ریس۔
(متین منور، فیصل آباد)

☆ ہمت ہے تو پکڑ کر دکھاؤ۔
(حسن عبد الرحمٰن، گوجرہ)

☆ اکیسویں صدی کا کچھوا۔
(دانیال احمد، وزیر آباد)

☆ ہم چلے ٹائروں پہ، خرگوش چلے پیروں پہ۔
(محمد نشیل سرور، سرگودھا)

☆ ہم سا ہو تو سامنے آئے۔
(محمد خرم خالد، کراچی)

☆ ہائے! خرگوش بھائی میں تو چلا۔
(طلحہ شعیب، کراچی)

☆ خرگوش کی پکار، یہ تو بے ایمانی ہے یار۔
(اسد فاروقی، ملتان)

☆ اکیسویں صدی کی انوکھی ریس۔
(محمد فواد خالد، کراچی)

☆ خرگوش جی! اب جیت کر دکھاؤ تو مانیں۔
(طٰہٰ امین خان، جوہر آباد)

☆ کچھوے بھائی! یہ تو چیٹنگ ہے۔
(ہارون الرشید، جہلم)

☆ نیا زمانہ نیا انداز۔
(محمد مجتبیٰ مظہر، سرگودھا)

☆ خرگوش بھائی! اب تو تم بھی گاڑی لے لو۔
(سلمیٰ صفی، چکوال)

☆ نیا زمانہ، نئی ریس۔
(محمد عبد اللہ مختار، راول پنڈی)

☆ میں کھلاڑی تو اناڑی۔
(وقاص شوکت، فیصل آباد)

☆ ماڈرن زمانہ، ماڈرن ریس۔
(رابعہ عرفان، حیدر آباد)

☆ نیا انداز، کچھوا چالباز۔
(لائبہ عثمانی، سیال کوٹ)

☆ ترکیب لاجواب، جیت بے مثال۔
(فیصل تسلیم، لاہور)

☆ کچھوے نے پکڑی کار، خرگوش گیا ہار۔
(محمد پورس اقبال، فیصل آباد)

☆ ارے کچھوے! وقت کے ساتھ تُو بھی بدل گیا۔
(حسان علی، مانسہرہ)

☆ کہانی پرانی، تجدید نرالی۔
(اقراء تسلیم، لاہور)

☆ عقل بڑی کہ بھینس۔
(عائشہ نوید، راول پنڈی)

☆ اب تم آگے نکل کر دکھاؤ۔
(عشارہ اسلم، نندوال)

☆ نئے دور کی نئی ریس۔
(محمد اُسامہ نوید، راول پنڈی)

☆ تُو سیر میں سوا سیر۔
(محمد حمزہ نوید، راول پنڈی)

☆ نیا دَور ہے نیا زمانہ، کچھوے میاں کا انداز نرالا۔
(اسد علی، لاہور)

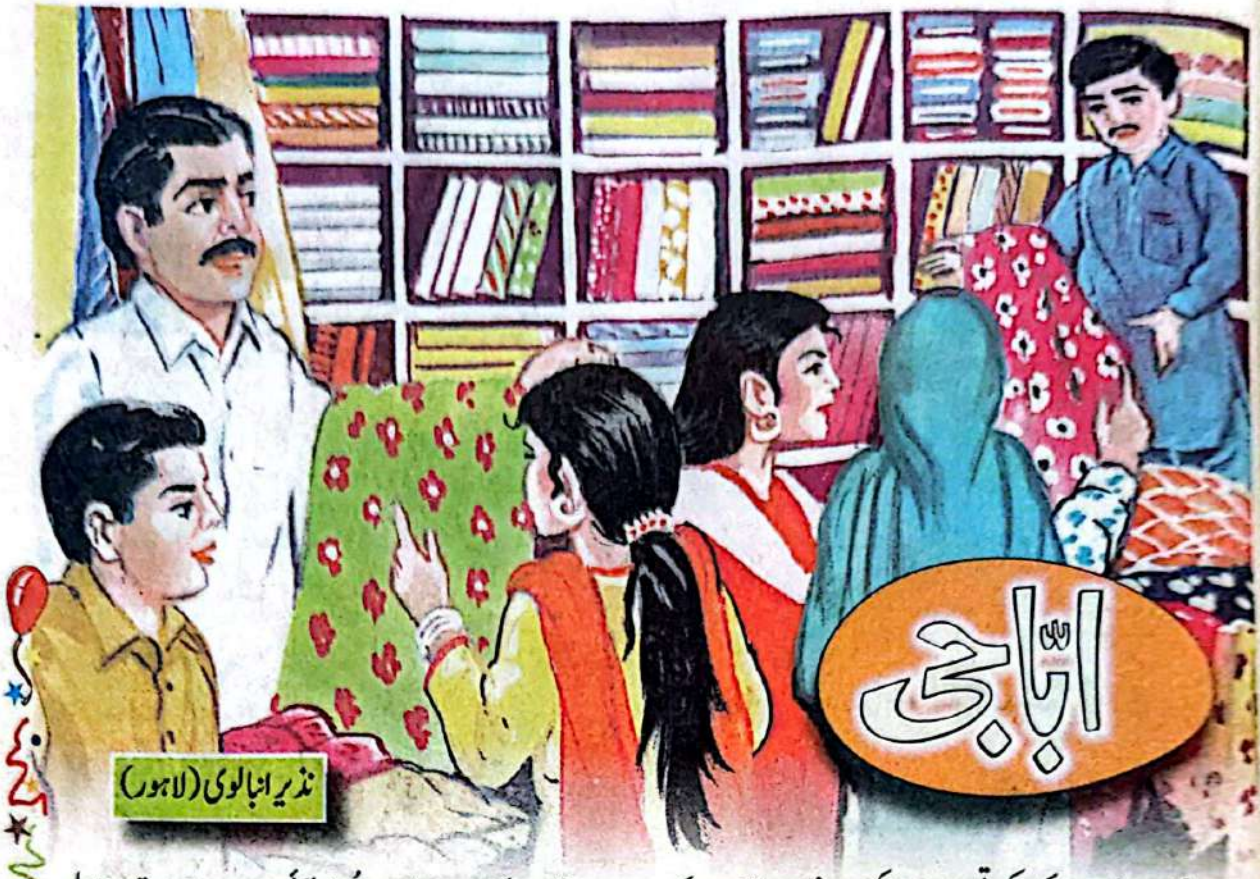

ابا جی

نذیر انبالوی (لاہور)

شام سات بجے کے قریب میرا کزن رضوان شاہدرہ کے مین بازار میں واقع میری کپڑے کی دُکان میں آیا۔ اِس سے قبل کہ میں اُس کا حال پوچھتا وہ آتے ہی بولا۔

"عثمان! دُکان بند کر کے میرے ساتھ چلو....."

"دُکان بند کر دوں، مگر کیوں.....؟"

"بس ہے ایک بات، تم دُکان بند کر دو۔"

"کیا ہوا ہے؟۔ کچھ بتاؤ تو سہی....." میں نے کہا۔

"راستے میں سب کچھ بتا دوں گا، تم جلدی کرو....."

رضوان نے جواب دیا۔

میں اپنے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ قبل دُکان بند کر کے رضوان کی کار میں بیٹھ گیا۔ رضوان خاموش تھا۔ گاڑی شاہدرہ موڑ تک پہنچی تو میں نے پوچھا۔

"رضوان! کیا ہوا ہے؟..... کچھ تو بتاؤ....."

"عثمان! ذرا ہمت سے میری بات سنو۔"

"ہاں..... ہاں..... تم بتاؤ....."

"وہ تمہارے بابا جان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے....."

"ابا جی....." میں اتنا ہی کہہ سکا۔

"ان کے سر پر شدید چوٹ آئی ہے، وہ اِس وقت جنرل ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ہیں۔"

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں.....؟"

"ان کی حالت تشویش ناک ہے....."

رضوان اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا، وہ میں نے خود ہی محسوس کر لیا۔ ہم یادگار چوک تک پہنچ چکے تھے۔ مجھے ابا جان کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"ابا جی! تو مجھ سے ناراض ہیں....." میں آہستگی سے بڑبڑایا۔ رضوان شاید میری بات سن نہیں پایا تھا۔ وہ گاڑی چلانے میں مصروف تھا اور میری آنکھوں کے سامنے بہت سے گزرے واقعات گردش کرنے لگے تھے۔

شام پانچ بجے وہ موٹر سائیکل پر سوار ماموں جان کے گھر لکشمی چوک جانے لگے تو میں نے پوچھا تھا۔

"آپ واپس آئیں گے یا گھر چلے جائیں گے؟"

"گھر چلا جاؤں گا۔"

ابا جی کا لہجہ بڑا روکھا سا تھا۔ اس سے قبل جب بھی وہ دُکان سے کہیں جاتے، مجھے ایک ایک بات سمجھا کر جاتے۔

دُکان میں کتنے پیسے ہیں، مارکیٹ سے سبحان آئے تو کتنے پیسے دینے ہیں۔ دُکان ٹھیک وقت پر بند کر دینا..... گاہکوں کو ایک بھاؤ بتانا..... وغیرہ وغیرہ۔ میں ایسی باتوں سے جھنجھلا سا جاتا۔ میں سوچتا میں اب بچہ تو نہیں جو ابا جی قدم قدم پر مجھے سمجھاتے ہیں۔ ابا جی نے آج ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ میری باتوں سے ناراض ہو گئے تھے، ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ دُکان میں روشنی کے لئے جو ٹیوب لائٹیں تھیں، اُن کی روشنی میں کام تو چل رہا تھا، مگر میں بضد تھا کہ دُوسری دُکانوں کی طرح ہماری دُکان میں بھی بہت سی ٹیوب لائٹیں ہوں۔ وہ میری بات سن کر بولے تھے۔

"میں زیادہ ٹیوب لائٹیں لگوا کر بجلی کا میٹر بند نہیں کروں گا، میں نے ایسا نہ کیا تو بل زیادہ آئے گا، جس کی ادائیگی ہمارے لئے ممکن نہ ہو گی"

"ابا جی! آج کل سب لوگ یہی کچھ کر رہے ہیں....."

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا....."

"ابا جی! اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا....." میں نے کہا۔

"کیوں فرق نہیں پڑتا، میں اپنے وطن کو نقصان پہنچاؤں..... میں ایسا نہیں کر سکتا۔ روشنی کے لیے یہ دو ٹیوب لائٹیں کافی ہیں....."

"ابا جی! یہ ناکافی ہیں....."

"میں غلط کام نہیں کروں گا۔"

اس بحث کے بعد ابا جی صبح سے شام تک میرے ساتھ صحیح انداز میں نہ بولے۔ میں نے ان کی ناراضگی محسوس کر لی تھی۔

ایک اور واقعہ میری سوچ کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

"میاں جی! بتایئے اس پیلے کپڑے کا آخری دام کیا ہو گا.....؟" گاہک نے پوچھا۔

"تیس روپے میٹر....."

"کوئی کمی پیشی۔"

"میں ایک دام مانگتا ہوں، مارکیٹ سے فرق نکلے تو واپس کر دیں....."

"میاں جی! کچھ رعایت کریں....."

"رعایت تو جھوٹ بول کر ہوتی ہے، تیس کے چالیس مانگ لوں اور پھر آپ کو کم کر دوں، میں نے جائز قیمت آپ سے مانگی ہے....."

ابا جی کی باتیں میں بائیں طرف بیٹھا سن رہا تھا۔

"میاں جی! چالیس میٹر کپڑا لوں گا، کچھ تو چھوڑ دیں....." گاہک بولا۔

"میں نے مناسب قیمت آپ کو بتائی ہے....."

"ٹھیک ہے آپ کی مرضی میں اور کہیں سے کپڑا لے لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر گاہک دُکان سے نکل گیا۔

"ابا جی! اِس طرح سے دُکان داری نہیں ہوتی۔"

"تو کس طرح سے ہوتی

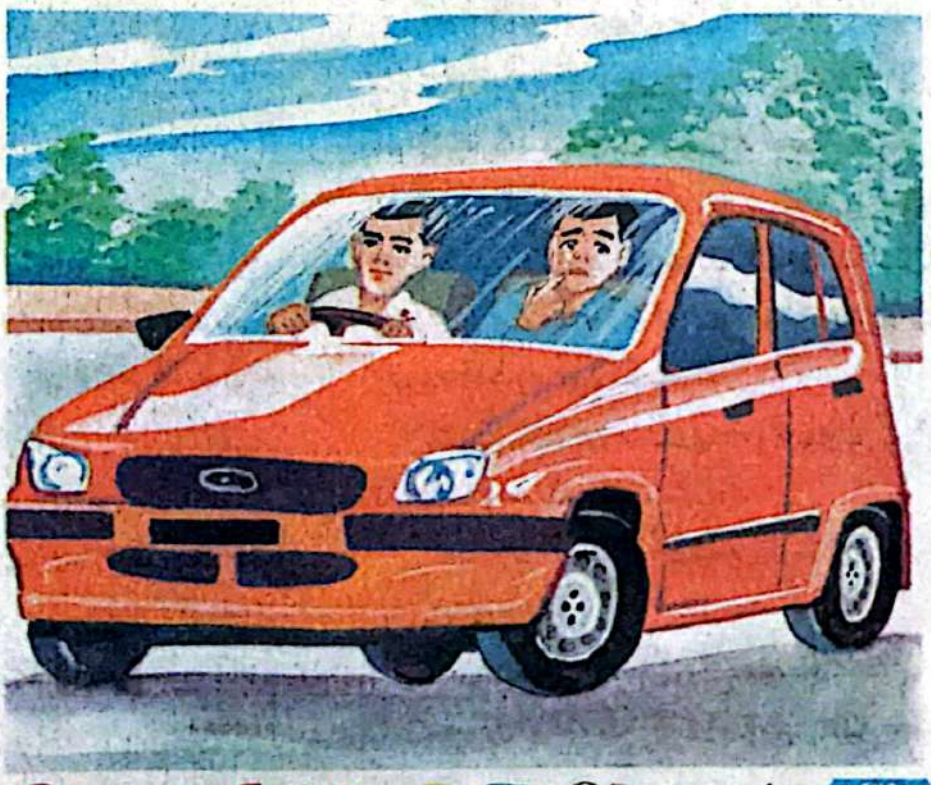

ہے دُکان داری، جھوٹ بولوں..... قسمیں کھاؤں۔ یہ سب مجھ سے نہیں ہوتا....."

"اب دام کم کروائے بغیر گاہک کی تسلی نہیں ہوتی، آپ دو چار روپے زیادہ مانگ لیا کریں۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا....." ابا جی نے کہا۔

ابا جی سے اس دن بھی بحث ہوئی تھی، جب اُن کے ایک واقف کار کی معرفت ایک پرائیویٹ ادارے میں مجھے ملازمت کی آفر ہوئی تھی۔

"میں ایم اے پاس یہ معمولی سی ملازمت کروں گا....."

"ابھی تجربہ حاصل کر لو پھر کہیں اور چلے جانا....." ابا جان نے مجھے سمجھایا۔

"میں بڑی ملازمت ہی کروں گا۔"

"اگر بڑی ملازمت نہ ملی تو....."

"تو نہیں کروں گا....." میں نے فوراً جواب دیا۔

غرض میں نے ابا جی کے کہنے کے باوجود وہ ملازمت نہ کی۔

"کن سوچوں میں گم ہو!"

رضوان کے جملے نے میری سوچوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ میں نے خاموشی سے باہر دیکھا۔ گاڑی پھاٹک پل سے گزر رہی تھی، تھوڑی دیر میں ہم جنرل ہسپتال پہنچنے والے تھے۔

"عثمان! اللہ سے دُعا کرو..... ہمت مت ہارو..... اللہ سب اچھا کرے گا....." رضوان بولا۔

چند منٹوں بعد ہم جنرل ہسپتال میں ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایمرجنسی وارڈ کے باہر ماموں جان اور امی جان موجود تھیں، میں ماموں جان سے لپٹ کر رونے لگا۔ انہوں نے مجھے تسلی دی۔

"ابا جی کی حالت اب کیسی ہے؟"

"ڈاکٹر کچھ نہیں بتا رہے....." ماموں جان بولے۔

میں رضوان کے ساتھ ایمرجنسی وارڈ کے سامنے واقع ایک چھوٹے سے لان میں بیٹھ گیا۔ میرا سر چکرانے لگا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو گا۔ رضوان مجھے بار بار تسلی دے رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ابا جی کی باتوں نے مجھے اپنے حصار میں قید کر رکھا تھا۔ گزرے وقت کی معمولی معمولی باتیں اب اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھیں۔ میں جب بھی دُکان یا گھر لیٹ پہنچتا تو ابا جی بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوتے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہتے۔

"اتنی دیر کہاں تھے؟"

"ابا جی! آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں....."

"وقت ٹھیک نہیں ہے..... پل بھر میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے..... دیر سے مت آیا کرو۔" ان کی بات میں پیار کی جھلک نمایاں ہوتی۔

موٹر سائیکل جس پر وہ حادثے کا شکار ہوئے، اُس کی صفائی کا خیال رکھتے۔ میں جب اُس کی صفائی میں ذرا سی کوتاہی کرتا تو سمجھانے کے انداز میں کہتے۔

"چیزوں کی مناسب دیکھ بھال کر لی جائے تو وہ دیر تک چلتی ہیں....."

مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا، نو بجے کے قریب میرا دوست نادر بھی آگیا۔ اُسے دیکھ کر مجھے بے اختیار اُس کے والد کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اُس کے والد کا انتقال چند ماہ قبل ہوا تھا۔ اُس دن نادر کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ وہ روتے ہوئے بار بار کہہ رہا تھا۔

"میں آج گھنی چھاؤں سے کڑی دھوپ میں آگیا ہوں، باپ کی شفقت کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا ہے....."

نادر کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں آیا کہ کہیں آج میں بھی اس گھنی چھاؤں سے..... اس کے آگے میں کچھ نہ سوچ پایا۔ نادر میری حالت کے پیش نظر اِدھر اُدھر کی باتوں سے میرا دل بہلانے لگا۔

رات گیارہ بجے کے قریب ایک وارڈ بوائے نے ایمرجنسی وارڈ کے باہر آکر ہانک لگائی۔

"حادثے کا شکار ہونے والے میاں علی حسن کے ساتھ کون ہے؟"

یہ سن کر ہم سب وارڈ بوائے کی طرف لپکے۔

"ہم ہیں..... ہم سب....." میں بے اختیار بولا۔

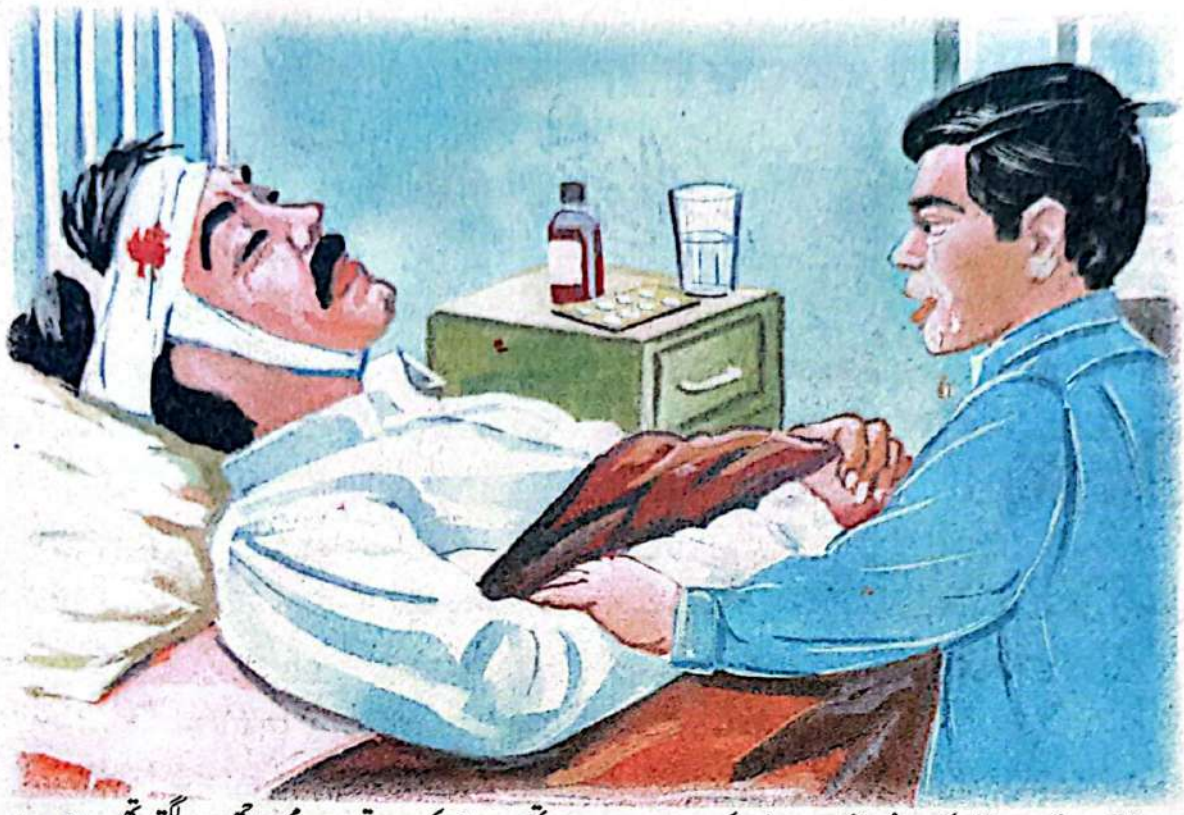

"آپ کے مریض کو ہوش آگیا ہے، اُن کی حالت اب خطرے سے باہر ہے، تھوڑی دیر میں ہم انہیں جنرل وارڈ میں شفٹ کر دیں گے....."

ابا جی کے ہوش میں آنے کا سن کر مجھے ایسے لگا جیسے میں کڑی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آگیا ہوں۔

آدھ گھنٹہ بعد میں جنرل وارڈ میں ابا جی کے بیڈ کے پاس افسردہ کھڑا تھا۔ ابا جی کے سر پر ایک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھے۔ میں نے انہیں مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس حادثے نے میری سوچ بدل کر رکھ دی تھی۔ ابا جی کی وہ باتیں جو مجھے اچھی نہ لگتی تھیں، اس حادثے کے بعد اچھی اور سچی لگنے لگی تھیں۔ میں نے کبھی ان کی باتوں کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں تھا۔ یہ حادثہ مجھے ابا جی کے قریب لے آیا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میری آنکھیں پُرنم تھیں۔ میرے آنسو ابا جی کے چہرے پر ٹپکے تو انہوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجا کر آہستگی سے بولے۔

"بیٹے! میں ٹھیک ہوں....."

یہ جملہ سن کر میرے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اَچھی صحبت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اُن کی صحبت اختیار کرو جو ایمان میں سچے ہیں۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اور رسول کریمؐ سے اپنی جان سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اور جن کے اعمال اُن کی اِس محبت کے آئینہ دار ہیں۔ نفس کو پاک کرنے کے لئے اور دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے منور کرنے کے لئے نماز کے علاوہ جو چیز بہت اہم ہے وہ اچھا اور پاکیزہ ماحول اور نیک لوگوں کی صحبت ہے۔ اچھے لوگوں کی صحبت انسان کو اچھا اور برے لوگوں کی صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے۔ قیامت کے روز انسان اُسی گروہ میں شامل ہو گا، جس کی رفاقت وہ دُنیا میں پسند کرتا ہے۔

خزانہ

تحسین گل (ملتان)

ایک دن کچھ وزیر محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "بادشاہ سلامت! آپ کی خدمت میں ہم اپنی وفاداری اور جس کو آپ ہم سب میں زیادہ عزیز رکھتے ہیں، یعنی ایاز کی غداری کا ثبوت لے کر آئے ہیں۔"

محمود غزنوی نے پوچھا: "اچھا! ذرا ہمیں بھی معلوم ہو کہ ایاز غدار کس طرح ہے۔"

ایک وزیر نے آگے بڑھ کر جواب دیا: "حضور! ایاز نے محل سے کچھ فاصلے پر ایک کوٹھڑی بنوائی ہے، جس میں محل سے چرایا ہوا قیمتی خزانہ چھپایا ہوا ہے۔ وہ اس خزانے کو بلاناغہ دیکھنے کے لیے کوٹھڑی میں جاتا ہے۔"

محمود غزنوی نے کہا: "ہم تو ایاز کو بہت وفادار سمجھتے تھے، لیکن وہ تو غدار نکلا۔" اُس نے وزیر سے کہا: "ہمیں فوراً اُس کوٹھڑی میں لے چلو۔"

جب وہ کوٹھڑی میں پہنچے تو دیکھا کوٹھڑی کے دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ محمود نے ان سے کہا: "یہاں تو تالا لگا پڑا ہے آپ حضرات تالا توڑنے کے لیے کوئی اوزار لائے ہیں؟"

ان میں سے ایک وزیر جوش میں آگے بڑھا اور بولا۔ "حضور! میں نے نہ صرف تالا توڑنے کا بندوبست کیا ہوا ہے، بلکہ میں زمین کھودنے اور دیواریں توڑنے کا سامان بھی لایا ہوں۔" اُس نے خوشی، خوشی تالے پہ جو ایک زور دار ہتھوڑا رسید کیا تو تالے کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

وہ سب کوٹھڑی کے اندر داخل ہوئے اور خزانے کو تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے کوٹھڑی میں خزانہ ہر جگہ تلاش کیا، مگر وہاں ایک پھٹے پرانے جوڑے کے سوا کچھ نہ تھا۔

محمود نے ان سے پوچھا: "آپ حضرات تو کہہ رہے تھے کہ ایاز نے یہاں کوئی خزانہ چھپایا ہوا ہے، کہاں ہے وہ خزانہ؟"

ایک وزیر نے کہا: "حضور لگتا ہے کہ اُس نے خزانہ زمین کے اندر چھپایا ہوا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم زمین کھود کر خزانہ تلاش کر لیں۔" محمود نے اجازت دے دی تو وہ کدالیں لے کر زمین کھودنے لگے، تھوڑی دیر میں کوٹھڑی کی ساری زمین کھود دی گئی، مگر خزانہ وہاں بھی نہ ملا۔

محمود نے ایک وزیر کو بھیج کر ایاز کو بلایا۔ جب ایاز آیا تو اُس سے پوچھا: "ایاز! ہم نے سنا ہے تم نے اس کوٹھڑی میں خزانہ چھپایا ہوا ہے۔"

ایاز نے جواب دیا؟ "اے بادشاہ! یہ بات درست ہے۔"

"وہ خزانہ کہاں ہے؟" محمود نے ایاز سے پوچھا۔

ایاز نے کپڑوں کا پھٹا پرانا جوڑا اٹھا کر محمود کو دکھایا اور بولا۔ "حضور! یہ ہے میرا خزانہ، میں روزانہ اپنے اس خزانے کو دیکھنے آتا ہوں۔ اس طرح مجھے اپنا غربت کا زمانہ یاد رہتا ہے۔

محمود غزنوی نے غصے سے وزیروں کو دیکھا اور پوچھا۔ "اے میرے وزیرو! بتاؤ ایاز وفادار ہے یا غدار؟ دراصل تم سب ایاز سے حسد کرتے ہو اور حسد کی آگ عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔" یہ سن کر وزیروں کے سر ندامت سے جھک گئے۔

میری زندگی کے مقاصد

سید اسد عباس، گوجرانوالا

میں فوجی بن کر ملک کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہونا چاہتا ہوں۔

حافظ عبدالعزیز ساجد، اسلام آباد

میں بڑا ہو کر عالم دین بن کر لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہتا ہوں۔

عبداللہ حسن، فیصل آباد

میں مسجد تعمیر کر کے امام بننا چاہتا ہوں اور اسلام کی روشنی پھیلانا چاہتا ہوں۔

مریم حبیب، کراچی

میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانوں کی خدمت کروں گی۔

سارہ طارق، فیصل آباد

میں بڑی ہو کر پائلٹ بنوں گی اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گی۔

اقصیٰ ایوب شان، کراچی

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

محمد عبدالرحمٰن جامی، لاہور

میں بہترین نعت خواں بننا چاہتا ہوں، یہ ہی میری زندگی کا اہم مقصد ہے۔

فواد احمد، پشاور

میں بڑا ہو کر حافظ بنوں گا اور بچوں کو قرآن کی تعلیم دوں گا۔

حافظ اسدالرحمٰن انور، بہاول پور

میں تعلیم حاصل کر کے اپنے والدین اور ملک کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

محمد فیضان، فیصل آباد

میں بڑا ہو کر شاہد آفریدی جیسا کھلاڑی بنوں گا اور پاکستان کا نام روشن کروں گا۔

نوید حسن، لاہور

میری زندگی کا مقصد اسلام کو پھیلانا اور کمانڈر بن کر ملک کی حفاظت کرنا ہے۔

محمد عمر اقبال خواجہ، راولپنڈی

میں پاک فوج میں شامل ہو کر ملک کے دشمنوں کو شکست دینا چاہتا ہوں۔

محمد ظفر، لاہور

میں بڑا ہو کر سپاہی بن کر لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

حامد نسیم، ایبٹ آباد

میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا اور ملک کی خدمت کروں گا۔

محمد زین طاہر، لاہور

میں بڑا ہو کر نیک انسان بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

لیاقت علی، ملتان

میں تعلیم حاصل کر کے ایسے کام کرنا چاہتا ہوں، جس سے میرا نام پوری دُنیا میں روشن ہو جائے۔

فرقان نصیر، مندرہ

میں بڑا ہو کر ایک اچھا انسان اور فوجی بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

فرید اللہ، پشاور

میں بڑا ہو کر لوگوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنوں گا۔

مرزا حسن علی، راولپنڈی

میں انجینئر بن کر ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔

حاشر احمد، کراچی

میں تعلیم حاصل کر کے فوجی بن کر ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔

لائبہ ندیم، لاہور

میں ٹیچر بن کر اپنے پیارے ملک کی خدمت کروں گا۔

میری زندگی کے مقاصد کے لیے یہ کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ..... شہر .....

مقاصد .....

.....

ہونہار مصور

سردی کا موسم

تصاویر صرف اُفقی رُخ میں ہی بھیجیں

فائز عاصم، صادق آباد (پہلا انعام: 175 روپے کی کتب)

محمد اسد الرحمٰن، لاہور (دوسرا انعام: 150 روپے کی کتب)

وردہ طاہر، ساہی وال (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

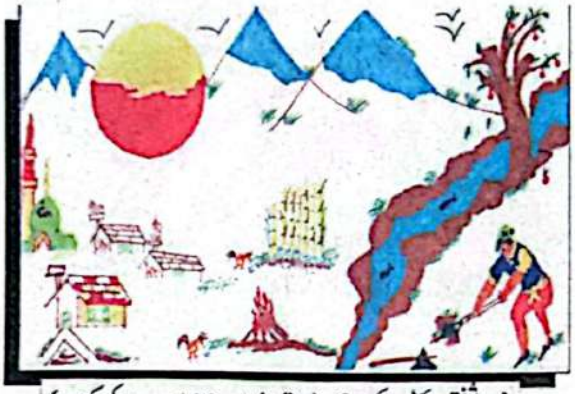

محمد شفیق بھٹی، کراچی (چوتھا انعام: 100 روپے کی کتب)

آمنہ ذوالقدر، راول پنڈی (پانچواں انعام: 90 روپے کی کتب)

حمزہ وقار، لاہور (چھٹا انعام: 75 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: محمد اسد سلیم ملتان۔ صبورہ ناصر ساہی وال۔ ازکی ساجد فاروقی قصور۔ وقاص مصطفیٰ جھنگ۔ نور مالک گورائیہ گوجرانوالہ۔ حافظ محمد سلطان فاروقی قصور۔ عائزہ لاہور۔ امن چشتی توحید بہاول پور۔ برہان، حاجرہ ظفر لاہور۔ نازیہ نذیر قصور۔ افراح عبد العلیم کراچی۔ محمد معاذ پشاور۔ منیب داؤد جہلم۔ محمد اکبر جاوید ڈیرہ غازی خان۔ محمد حسن رضوان علوی کوئٹہ۔ نرمل سعید، عشاء سعید ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ شاویز لطیف لاہور۔ ضرغام احمد، میمونہ ممتاز خان ملتان۔ محمد مزمل حسین ساہی وال۔ روحان اشرف، اظہر عرفان لاہور۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

آخری تاریخ 8 جنوری

فروری کا موضوع: ہولی ہیرو

آخری تاریخ 8 فروری

مارچ کا موضوع: ہیرو پاکستان

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 جنوری 20 10ء ہے۔

دسمبر 2009ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے ہزاروں عنوانات موصول ہوئے، جن میں سے مجلسِ ادارت کو 200 عنوانات پسند آئے اور یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی کتب کے انعامات کے حق دار قرار پائے۔

☆ محمد برہان ساجد، قصور (کچھوے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے)

☆ صالحہ شعیب، کراچی (جیسا دیس، ویسا بھیس)

☆ سعد فاروق، ملتان (کل بھی جیت ہماری تھی، آج بھی جیت ہماری ہے)

☆ محمد ثوبان، فیصل آباد (کچھوے نے کی ہوشیاری، خرگوش نے بازی ہاری)

☆ علی زیب خالد، گجرات (کچھوا کرے ہائے ہائے، خرگوش کرے ہائے ہائے)

باقی عنوانات اندر ملاحظہ کریں

Shezan
MIXED FRUIT
JAM
MANGO
JAM
APPLE
JAM
SWEET ORANGE
MARMALADE
جیسا پھل ویسا مزہ!

The Ultimate HABANERO CHILLI Experience

It's Party for your taste buds!

A Dip Sauce made from a secret blend of finest Habanero Chillies, Rich Ripe Tomatoes, Garlic & Spices.

Shangrila **Garlic Chilli Sauce** a must for your meals.

Shangrila®

Takes the Taste...
...to the Limits

Pakistan's First Company Awarded HALAAL Certification By South African National Halaal Authority

ISO 9001:2000 Certified

Member The Association for DRESSINGS & SAUCES, USA

www.shangrila.com.pk